شرح العقیدۃ الواسطیۃ

کا اردو ترجمہ

صحیح اسلامی عقائد

شیخ الاسلام احمد بن عبد الحلیم بن عبد السلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شارح
شیخ محمد خلیل ہراس

مترجم
جاوید احمد عمری

مراجعہ
ساجد اسید ندوی

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

Www.IslamicBooks.Website

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

شرح العقیدۃ الواسطیۃ

کا اردو ترجمہ

صحیح اسلامی عقائد

شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

شارح

شیخ محمد خلیل ہراس

مترجم

جاوید احمد عمری

مراجعہ

ساجد اسید ندوی

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW.faheembooks.com

Www.IslamicBooks.Website

جملہ حقوق محفوظ ھیں

نام کتاب	:	شرح العقیدة الواسطیة (اردو)
تالیف	:	شیخ الاسلام احمد بن عبدالحلیم بن عبدالسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ
شارح	:	شیخ محمد خلیل ہراس
مترجم	:	جاوید احمد عمری
مراجعہ	:	ساجد اسید ندوی
طابع وناشر	:	مکتبۃ الفہیم مئوناتھ بھنجن یوپی
سال اشاعت	:	مارچ ۲۰۱۱ء
تعداد اشاعت	:	ایک ہزار ایک سو
صفحات	:	208
قیمت	:	110/00

باہتمام

شفیق الرحمن، عزیز الرحمن

مکتبۃ الفہیم
مئوناتھ بھنجن یوپی

MAKTABA AL-FAHEEM
Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email : maktabaalfaheemmau@gmail.com
WWW.faheembooks.com

Www.IslamicBooks.Website

عرض ناشر

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین محمد وعلیٰ اٰلہ وصحبہ اجمعین وبعد!

شرح العقیدۃ الواسطیہ ہندوستان ودیگر ممالک کے مدارس وجامعات کے نصاب میں داخل ہے۔اس کتاب میں عقیدۂ سلف کوقرآن وصحیح احادیث کی روشنی میں واضح کیا گیا ہے ساتھ ہی ساتھ باطل فرقوں کے اعتقادات کودلائل کی روشنی میں رد کیا گیا، عرصہ سے یہ مطالبہ ہوتا رہا ہے کہ اس کتاب کواردو قالب میں ڈھال دیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو، لیکن محض اس بناپر کہ اس سے طلباء کی استعداد میں کمی ہوگی اور وہ اس ترجمہ پر انحصار کرتے ہوئے استاذ کے درس سے بے رغبتی برتیں گے اس کے ترجمہ کی اشاعت سے اجتناب کیا جاتا رہا لیکن جب یہ محسوس ہوا کہ عوام الناس کے اعتقاد میں بگاڑ آنا شروع ہوگیا ہے اوران کے عقائد بعض باطل فرقوں کے اختلاط کی وجہ سے خراب ہورہے ہیں تو شدت سے ضرورت محسوس کی گئی کہ عقیدہ کے موضوع پر اس اہم مختصر مگر جامع کتاب کا ترجمہ شائع کردیا جائے، چنانچہ کتاب قارئین کے ہاتھوں میں ہے، امید ہے کہ اس سے تصحیح عقائد میں کافی حدتک مدد ملے گی اوراس کے مطالعہ سے بعض ان چیزوں سے بھی بچاجاسکتا ہے جن پر بے توجہی سے بسااوقات آدمی نادانستہ طور پر کفروشرک کا مرتکب ہوجاتا ہے۔

مدیر

مکتبہ الفہیم

مئوناتھ بھنجن، مئو

Www.IslamicBooks.Website

فہرست مشمولات

عرض ناشر	3
پیش لفظ	5
تسمیہ	9
حمد کی تحقیق	13
حمد ومدح کے مابین فرق	14
رسول	15
رسول ونبی کے مابین فرق	15
ھدی کا مفہوم	15
کلمۂ توحید کا مفہوم	18
عبادت	19
مفہوم صلاۃ کی تعیین	21
فرقۂ ناجیہ	23
سنت اور جماعت کا معنی	24
چھ ایمانیاتی امور: ایمان باللہ............	24
ذات باری تعالیٰ اوراس کی صفات کے تعلق سے اہل سنت کا موقف	29
تحریف وتعطیل اور دونوں کے مابین فرق	30
الحاد کا مفہوم	32
اللہ کی ذات کو اس کی مخلوق پر قیاس کرنا	35
قیاس تمثیل	35
قیاس شمول	36
قیاس اولیٰ	36

Www.IslamicBooks.Website

صفات کے باب میں وارد نصوص کی حیثیت	37
باب صفات میں نفی واثبات	40
صراط مستقیم	43
سورۂ اخلاص	44
آیۃ الکرسی	47
اللہ تعالیٰ کی چار صفات الاول والآخر والظاہر والباطن	52
صفت علم اور بعض صفات	54
اللہ تعالیٰ کے صفت علم کے ساتھ متصف ہونے پر عقلی دلائل	57
صفت سمع وبصر کا اثبات	60
مشیت وارادہ کی توضیح۔ارادۂ کونیہ وارادہ شرعیہ	62
اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت کا بیان	65
اللہ تعالیٰ کا صفت رحمت سے متصف ہونا	70
صفت رضا وغضب	73
صفت مجی کا اثبات اور منکرین کا رد	76
اثبات وجہ اور منکرین کا رد	78
اثبات صفت ید اور منکرین کا رد	80
اثبات صفت عین	83
اثبات صفت سمع وبصر	85
اللہ تعالیٰ کی طرف مکر وکید کی نسبت	88
اللہ تعالیٰ کی چند صفات عفو، قدرت، رحمت، مغفرت اور عزت وغیرہ کا اثبات	90
بعض سلبی وتنزیہی صفات کا بیان	93
تعدد الہ کا ابطال	98
استواء علی العرش کا بیان	103
اللہ تعالیٰ کے علو وبلند ہونے کا بیان	107

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کی معیت کی نوعیت کا بیان۔ معیت عامہ و معیت خاصہ	110
اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کے سلسلے میں اہل سنت کا موقف	113
قرآن کلام الٰہی ہے جو کہ اللہ کی صفت وغیر مخلوق ہے۔	117
رویت باری تعالیٰ کا بیان اور منکرین کا رد	120
آیات صفات کے سلسلے میں عام مباحث	124
سنت نبوی سے اسماء وصفات کا اثبات	127
سنت کی تعریف اور اس کا حکم	128
سماء دنیا پر باری تعالیٰ کے نزول فرمانے کا بیان	130
صفت فرح (خوش ہونا) کا بیان	132
صفت ضحک (ہنسنا) کا بیان	134
صفت عجب	136
اللہ تعالیٰ کے لئے رجل وقدم کا اثبات	138
اثبات قول، نداو کلام	139
صفت علو کا بیان	140
صفت معیت کا بیان	143
بعض اسماء حسنیٰ	145
اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے قربت	146
رویت باری تعالیٰ	147
سنت سے ثابت صفات کے سلسلے میں اہل سنت کا موقف	149
صفات کے باب میں اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ	151
بندوں کی جانب سے صادر ہونے والے افعال۔ صحیح موقف	153
جزاو سزا	155
اسماء ایمان و دین	157
صحابۂ کرام کے متعلق اہل سنت و دیگر فرق کے عقائد	159

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کے استوا علی العرش پر ایمان	161
معیت الٰہی اس کے علو کے غیر منافی ہے	163
قرآن مجید کے متعلق اہل سنت کا موقف اور دیگر فرق کے مواقف	164
رویت عامہ	166
ایمان بالآخرۃ	167
قیامت کبریٰ کا بیان	169
کفار کے اعمال	172
حوض کوثر کا بیان	173
پل صراط کا بیان	174
نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خصائص	174
شفاعت کا بیان اور منکرین کا رد	175
تقدیر پر ایمان رکھنے کا بیان اور اس کے درجات	179
تقدیر کے منکرین	185
ایمان کے باب میں اہل سنت کا موقف	187
فضائل صحابہ اور ان کے مراتب	191
اہل بیت	195
ازواج مطہرات	196
اہل سنت والجماعت کا صحابہ کی شان میں اہل بدعت کے اقوال سے اظہار براءت	197
مشاجرات صحابہ اور اہل سنت والجماعت	198
کرامات اولیاء کے باب میں اہل سنت کا عقیدہ	200
کرامات کی مصلحت اور ان کی حکمتیں	200
منہج اہل سنت والجماعت	202
اہل سنت والجماعت کے اوصاف واخلاق	203

☆☆☆

Www.IslamicBooks.Website

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

عقیدہ انسانی زندگی کا سب سے اہم اور بنیادی مسئلہ ہے، انسان کے ہر قسم کے افکار واعمال کا منبع وسرچشمہ اس کا عقیدہ ہی ہوتا ہے، اس لئے درست اور مبنی برصحت افکار واعمال کا وجود درست اور صحیح عقیدہ کے وجود سے مربوط اور وابستہ ہے، اسلامی نقطۂ نظر سے انسان کے کسی بھی نیک اور اچھے عمل کی صحت وقبولیت اور اس کی اخروی نجات وکامیابی کا انحصار تمام تر عقیدہ کی صحت ودرستگی پر ہے، صحت عقیدہ کے بغیر عند اللہ انسان کے عظیم سے عظیم تر اور بہتر سے بہتر عمل کی بھی کوئی قیمت ووقعت نہیں، قرآن مجید میں اس حقیقت کو مختلف پیرائے میں متعدد مقامات پر اجاگر کیا گیا ہے، صحت عقیدہ کے بغیر انجام دئے گئے اعمال خیر کو کہیں ''سراب'' (چمکتی ہوئی ریت) سے تشبیہ دیا گیا ہے جو چٹیل میدان میں ہو، جسے پیاسا دور سے پانی سمجھتا ہے لیکن جب اس کے پاس پہنچتا ہے تو اسے کچھ نہیں پاتا (نور:۳۹) تو کہیں راکھ سے جس پر آندھی والے دن تیز ہوا چلے (اور اسے اڑا لے جائے) (ابراہیم:۱۸) اور کہیں اس صاف اور چکنے پتھر سے جس پر تھوڑی سی مٹی ہو پھر اس پر زوردار مینہ برسے اور اسے بالکل صاف اور سخت چھوڑ دے (بقرہ:۲۶۴) جبکہ ایک جگہ بالکل واشگاف انداز میں یوں فرمایا گیا ہے:۔

''انہوں نے جو اعمال کئے ہیں ہم ان کی طرف متوجہ ہو کر انہیں پراگندہ ذروں کی طرح کردیں گے'' (الفرقان:۲۳)

عقیدہ سے متعلق تمام امور ومسائل بنیادی طور پر توقیفی ہیں اور اصلا ایمان بالغیب سے تعلق رکھتے ہیں، اس لیے ان کے بارے میں وحی الہی (کتاب وسنت) کی صراحتوں پر انحصار کے بغیر چارہ نہیں، عقیدہ سے متعلق امور ومسائل کو عقل ورائے کے ترازو میں تولنا اور قیاس ومنطق کی بنیادوں پر انہیں موضوع بحث وگفتگو بنانا نہ صرف یہ کہ ایک فضول ولایعنی عمل ہے بلکہ موجب ہلاکت وگمراہی حرکت ہے، ایک مسلمان کی ذمہ داری فقط یہ ہے کہ وہ اس بارے میں قرآن وسنت میں جو کچھ اور جیسا کچھ وارد ہے انہیں بلا چوں وچرا تسلیم کرنے پر اکتفا کرے اور بس۔

Www.IslamicBooks.Website

اس امت کا اولین گروہ (گروہ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین) جسے رضائے الٰہی کی خلعت بے بہا اور تمغۂ بے مثال سے اسی دنیا میں نواز دیا گیا اور بعد والوں کے لیے جس کے ایمان وعمل کو معیار اور کسوٹی قرار دیا گیا، اپنے طرز عمل سے امت کے لیے یہی نمونہ اور اسوہ قائم کر گیا، حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت عملی جماعت تھی، ان کی تربیت تسلیم ورضا کے ساتھ عملی بنیادوں پر ہوئی تھی اس لیے ان کے یہاں عقیدہ کے ان جزئیات ومسائل سے تعرض کا کوئی سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا جن کا عملی زندگی سے کوئی تعلق نہیں، علاوہ ازیں وہ خالص عرب تھے اور قرآن وسنت کے کسی لفظ کے مدلول ومفہوم، وسعت وگہرائی اور اس کے تقاضوں تک رسائی کی صلاحیت سے بہت حد تک بہرہ ور تھے، لیکن جب ان کے بعد امت کی عملی اسپرٹ میں کمی آئی اور دوسری طرف یونانی اور غیر عربی واسلامی علوم وفنون سے تعارف، غیر قوموں سے اختلاط اور پھر ان سے تاثر کے نتیجے میں قیاس ورائے اور منطق وفلسفہ کی بحثوں نے زور پکڑا تو عقیدہ سے متعلق امور ومسائل کو بھی عقل ونظر کی کسوٹی پر پرکھنے اور منطق وقیاس کے محدود پیمانوں سے ناپنے کی بیجا اور ناروا کوششیں شروع ہوگئیں، صفات الٰہی کو بحث وگفتگو کا موضوع بنایا جانے لگا اور تقدیر کے مسئلہ پر مباحثوں کی محفلیں گرم ہونے لگیں وغیرہ، یوں ایمان وعقیدہ کے باب میں مختلف قسم کے انحرافات کا ظہور ہوا، جہمیت، قدریت اور جبریت وغیرہ مختلف فتنوں نے جنم لیا اور یہ امت عقیدہ کے سلسلے میں شدید قسم کی آزمائشوں سے دوچار ہوئی، ان حالات میں علماء امت نے عقیدۂ اسلامیہ کی حفاظت وتنقیح اور فرق باطلہ اور ان کے افکار فاسدہ کی تردید وبیخ کنی کا بیڑا اٹھایا اور جہاد باللسان کے ساتھ جہاد بالقلم کا فریضہ بھی سرانجام دینے کا فیصلہ کیا، اس طرح عقیدہ کے موضوع پر تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا اور اب تک مسلسل یہ سلسلہ جاری وساری ہے، علامہ بدیع الدین شاہ راشدیؒ نے ہدایۃ المستفید اردو ترجمہ فتح المجید شرح کتاب التوحید پر اپنے محققانہ اور فاضلانہ مقدمہ میں عقیدہ کے موضوع پر مختلف صدیوں میں لکھی گئی کتابوں کی ایک جامع اور مرتب فہرست نقل کردی ہے، اصحاب ذوق رجوع کرسکتے ہیں۔

اسلامی تاریخ میں آٹھویں صدی ہجری کو اسلام کی نشأۃ ثانیہ کی

Www.IslamicBooks.Website

صدی سے موسوم کیا جاسکتا ہے، یہ صدی کئی اعتبار سے مسلمانوں کیلئے انتہائی پر آشوب اور دینی ودنیوی آزمائشوں کی صدی ہے، لیکن اللہ نے اس پر آشوب دور میں امت اسلامیہ کو دیگر بہت سے عظیم محققین ومحدثین کے علاوہ امام ابن تیمیہؒ جیسی نادرۂ روزگار اور ہمہ جہت وہمہ صفت موصوف شخصیت سے نوازا، جنہوں نے اپنی زبردست علمی وعملی لیاقت وصلاحیت اور مجددانہ ومجتہدانہ بصیرت وعزیمت سے امت کی فکری اور عملی زندگی کو نیا رخ عطا کیا اور اپنی زبانی وقلمی کاوش وجہاد سے اسلام کو حیات تازہ بخشی، یوں تو رب دوجہاں کی طرف سے امام ابن تیمیہ کو تمام ہی اسلامی علوم وفنون میں مجتہدانہ بصیرت اور مجددانہ شان کی دولت سے سرفراز کیا گیا تھا جیسا کہ ان کے بہت سے معاصرین نے کھلے لفظوں میں اس کا اعتراف واقرار کیا ہے (ملاحظہ ہو تذکرہ از مولانا ابوالکلام آزادؒ) اور انہوں نے اپنی تجدیدی مساعی اور زبانی وتحریری کاوشوں کے ذریعہ اسلام کے تقریبا تمام ہی پہلوؤں کو زندگی اور تابندگی بخشی لیکن خاص عقائد صحیحہ وسلیمہ کی ترویج واشاعت اور تنقیح وحفاظت اور عقائد باطلہ ومنحرفہ کی تردید ومذمت کے باب میں انہیں جو خاص شان اور نمایاں مقام حاصل ہوا وہ کسی اور کے حصہ میں نہیں آیا، ان کے بعد جو لوگ بھی اس میدان میں قدم زن ہوئے وہ بالواسطہ یا بلاواسطہ انہی کے منتسبین یا خوشہ چیں میں سے تھے، بہر حال امام ابن تیمیہ نے عقیدہ سے متعلق مختلف موضوعات پر متعدد رسائل وکتب تصنیف فرمائی ہیں، ان میں ایک مختصر رسالہ ''العقیدۃ الواسطیۃ'' کے نام سے ہے جسے امام موصوف نے ''واسط'' کے ایک قاضی کے غیر معمولی اصرار پر محض عصر کے بعد کی ایک بیٹھک میں تحریر فرمایا تھا، اختصار کے باوجود نصوص کتاب وسنت سے مزین یہ ایک انتہائی جامع رسالہ ہے، چنانچہ اختصار کے ساتھ اسی جامعیت کی بنا پر اسے بہت سے مدارس ومعاہد کے نصاب میں شامل کیا گیا ہے جبکہ متعدد عرب علماء نے اس کی شرحیں بھی لکھی ہیں، زیر نظر کتاب انہیں میں سے ایک شرح کا اردو قالب ہے جو ایک نوجوان فاضل برادرم مولوی جاوید عمری کی قلمی کاوش کا نتیجہ ہے، اصل شرح عربی میں ''فضیلۃ الشیخ خلیل ہراس'' کی تالیف ہے اور عقیدہ سے متعلق تقریبا تمام ہی پہلوؤں کو محیط متوسط حجم کی ایک جامع شرح ہے، یوں اس ترجمہ کو اردو داں طبقہ کیلئے عقیدہ کے باب میں ایک قیمتی سوغات اور اہم علمی ودینی تحفہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

ملک کے مشہور و معتبر اشاعتی ادارہ مکتبــہ الــفهیم مئوناتھ بھنجن، یوپی کے ایماء پر راقم نے اس پر نظر ثانی کا فریضہ انجام دیا ہے، راقم نے ترجمہ کا از اول تا آخر اصل کتاب سے موازنہ کیا، بحمد اللہ عزیز مترجم نے بڑی خوش اسلوبی وسلاست کے ساتھ ترجمہ کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے، جن مقامات پر عبارت کا ترجمہ چھوٹ گیا تھا یا ترجمہ عبارت سے کچھ ہٹا ہوا نظر آرہا تھا راقم نے اپنی بساط بھر ان کی تلافی واصلاح کردی ہے، مترجم موصوف نے بیشتر مقامات پر اشعار کا ترجمہ نہیں کیا تھا اس نے اس کمی کو بھی حتی الوسع دور کردیا ہے، تاہم راقم کی حیثیت بھی چونکہ اس میدان کے نو وارد اور نو آموز کی ہے اسلئے عین ممکن ہے کہ اس سے اس بارے میں کوتاہیاں ہوئی ہوں، اصحاب ذوق اور اہل علم حضرات سے مخلصانہ ومؤدبانہ گذارش کی جاتی ہے کہ اس بارے میں ہوئی فروگذاشتوں کے سلسلے میں رہنمائی فرما کر ممنون فرمائیں اور شکریہ کا موقع دیں۔

آخر میں اس ترجمہ کے ایک منفی پہلو کی طرف اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور وہ یہ کہ یہ کتاب بہت سے مدارس میں شامل نصاب ہے، درسی کتابوں کے ترجموں نے طلبہ میں درس سے بے اعتنائی اور اساتذہ کی تقریروں سے بے توجہی کا عام ماحول پیدا کردیا ہے، تاہم اگر باذوق طلبہ اس سے ترجمہ نگاری کے اسلوب اور طریقہ میں کچھ حد تک مدد لینے کی سوچ لیں تو اس منفی پہلو کو مثبت پہلو سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ اس کوشش کو صحیح عقیدہ کی ترویج واشاعت کا بہتر اور عمدہ ذریعہ بنائے اور راقم، مؤلف وشارح اور مترجم وناشر میں سے ہر ایک کی اخروی نجات وکامیابی کا وسیلہ بنادے، آمین۔

۲۰ر دسمبر ۲۰۱۰ء

محمد ساجد اسید ندوی (بینی پٹی، مدھوبنی)

مدرس معہد علوم الحدیث

وامام وخطیب مسجد تقوی، ٹولی چوکی

حیدرآباد

Www.IslamicBooks.Website

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تسمیہ

بسم اللہ کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا یہ ہر ایک سورہ کی ایک آیت ہے جس سے سورتوں کا آغاز ہوا ہے یا سورتوں کے درمیان فصل اور حصول برکت کے لئے نازل شدہ ایک مستقل آیت ہے، اور یہی دوسرا موقف پسندیدہ ہے، جب کہ متفقہ طور پر یہ سورۂ نمل کی ایک آیت کا جزو ہے، اور سورۂ انفال وتوبہ چونکہ اپنے مضامین کی یکسانیت کی بنا پر ایک سورہ کے حکم میں ہیں سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ کے ذکر نہ کرنے پر بھی علماء کا اتفاق ہے۔

بسم اللہ میں با حرف جر استعانت کا ہے جو ایک ایسے محذوف سے متعلق ہے جسے بعض نے فعل تو بعض نے اسم مانا ہے، دونوں صورتیں درست اور متقارب ہیں کیونکہ قرآن کریم میں دونوں کی نظیر موجود ہے، فعل مقدر ماننے کی دلیل سورۂ علق کی پہلی آیت "اقرأ باسم ربک الذی خلق" اور اسم محذوف ماننے کی دلیل سورۂ ھود کی اکتالیسویں آیت بسم اللہ مجریھا ہے، با کے متعلق کو مؤخر ماننا بہتر ہے کیونکہ اسم تقدیم کا زیادہ مستحق ہے نیز جار مجرور کی تقدیم سے حصول برکت کے لئے اللہ کے باعزت نام کی خصوصیت ثابت ہوتی ہے۔

اسم:۔ کسی معنی کی تعیین وتمیز کے لئے وضع شدہ لفظ اسم کہلاتا ہے۔

اسم کے مادۂ اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق یہ لفظ "السمۃ" بمعنی علامت سے ماخوذ ہے، اور دوسرے قول کے مطابق السمو بمعنی بلندی سے مشتق ہے۔ اور یہی دوسرا قول پسندیدہ ہے۔ بسم اللہ میں ھمزہ وصلی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اسم اور مسمیٰ دونوں ایک ہی شے نہیں جیسا کہ بعض حضرات کا خیال ہے بلکہ دونوں الگ الگ چیزیں ہیں، کسی شئ معین پر بولا جانے والا لفظ اسم اور وہ شئ معین مسمیٰ کہلاتی ہے۔اور اسی طرح اسم سے نفس تسمیہ مراد نہیں کیونکہ یہ مُسَمِّیٰ [1] کا فعل ہے، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔سمیت ولدی محمدا کہ میں نے اپنے لڑکے کا محمد نام رکھا۔

بعض حضرات کا یہ خیال کہ یہاں بسم اللہ میں لفظ اسم مقحم ہے کیونکہ استعانت اللہ سے کی جاتی ہے نہ کہ اس کے اسم سے، سراسر بے بنیاد ہے کیونکہ یہاں اللہ کے بابرکت اسم کو زبان سے ادا کرنا مقصود ہے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

''سبح اسم ربک الاعلی''

یعنی اپنے رب کے نام کو زبان سے ادا کرتے ہوئے اس کی تسبیح بیان کرو۔اس کا مفہوم ہے اللہ تعالیٰ کے نام کے تذکرے سے ابتداء کر کے برکت حاصل کرنا۔

اسم جلالہ ''اللہ'' ایک قول کے مطابق جامد غیر مشتق ہے کیونکہ اشتقاق کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اس کا کوئی مادہ ہو، اور اللہ تعالیٰ کے اسماء قدیم ہیں، قدیم کا کوئی مادہ نہیں اس لئے ''اللہ'' ان خاص اعلام میں سے ہے جو صفت نہیں بن سکتے، صحیح بات یہ ہے کہ یہ مشتق تو ہے لیکن اس کے مادۂ اشتقاق کے بارے میں اختلاف ہے، ایک قول کے مطابق یہ أله يأله ألوهة و الهة و الوهية سے مشتق ہے جس کا مطلب ہے عبادت اور پرستش کرنا، اور ایک دوسرے قول کے مطابق یہ أله يأله ألها سے مشتق ہے جو تحیر اور درماندگی کے معنی میں آتا ہے، ان دونوں اقوال میں پہلا قول صحیح ہے۔ [2]

---

[1] نام رکھنے والا۔(اسم کا اسم فاعل ہے)

[2] مولانا آزادؒ نے دوسرے معنی کو زیادہ قوی تسلیم کیا ہے۔فرماتے ہیں ''خالق کائنات کے لئے یہ لفظ اس لئے اہم قرار پایا کہ اس کے بارے میں انسان جو کچھ جانتا اور جان سکتا ہے وہ عقل کے تحیر اور ادراک کی درماندگی کے سوا اور کچھ نہیں ہے وہ جس قدر بھی اس ذات مطلق کی ہستی میں غور وخوض کرے گا اس کی عقل کی حیرانی اور درماندگی بڑھتی ہی جائے گی، یہاں تک کہ وہ معلوم کرلے گا کہ اس کی راہ کی ابتدا بھی عجز وحیرت سے ہوتی ہے اور انتہا بھی عجز وحیرت ہی ہے۔ (ام الکتاب ص ۲۷)

Www.IslamicBooks.Website

لفظ الٰہ اسم مفعول یعنی مأ لوہ کے معنی میں ہے یعنی جس کی عبادت اور پرستش کی جائے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

"اللّٰہ ذو الهية و العبو دية علی خلقہٖ اجمعین"

''اللہ تعالیٰ ہی اپنی تمام مخلوقات پر عبودیت و پرستش کا حق رکھتا ہے۔''

اللہ کو مشتق ماننے کی صورت میں درحقیقت یہ وصف ہوگا لیکن اس وصف پر علمیت کے غلبے کے سبب اس کے دیگر تمام اسماء کو اس کی خبر مثلاً اللہ ، رحمن، رحیم، سمیع، علیم یعنی اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے، بہت زیادہ سننے و جاننے والا ہے۔ اور صفت بنایا جاتا ہے مثلاً اللہ الرحمٰن الرحیم یعنی بہت زیادہ مہربانی اور رحمت والا اللہ، وغیرہ..........

الرحمن الرحیم یہ اسماء حسنیٰ میں سے دو مبارک نام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی ذات صفت رحمت سے متصف ہونے کی طرف رہنمائی کرتے ہیں، اور رحمت اللہ رب العزت کی ایک حقیقی صفت ہے جو اس کی شان اور اس کے مرتبے کے لائق ہے، معطلہ کی طرح اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ یہاں رحمت سے مراد لازمۂ رحمت ہے جیسے ارادۂ احسان وغیرہ بالکل جائز اور درست نہیں۔

رحمٰن اور رحیم کے مابین معنوی فرق کے سلسلے میں اختلاف ہے، ایک قول یہ ہے کہ: رحمٰن سے مراد وہ ذات ہے جس کی رحمت دنیا کی ہر شئی پر محیط ہے، کیونکہ فعلان کا وزن امتلاء و کثرت پر دلالت کرتا ہے، اور الرحیم سے وہ ذات مراد ہے جس کی رحمت آخرت میں مؤمنین کے ساتھ خاص ہوگی۔ ایک دوسرا قول اس کے برعکس بھی ہے۔

علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ اس طرف گئے ہیں کہ الرحمٰن اللہ کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور رحیم ایسی صفت ہے جس کا تعلق مرحومین (جن پر رحم کیا جائے) کے ساتھ ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں لفظ رحمٰن رحیم کی طرح کہیں بھی متعدی استعمال نہیں ہوا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: "وکان بالمؤمنین

Www.IslamicBooks.Website

رحیمًا'' اللہ تعالیٰ نے کہیں بھی ''رحمانًا'' نہیں فرمایا۔ دونوں کے مابین معنوی فرق کے سلسلے میں یہ سب سے بہتر قول ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے فرماتے ہیں: یہ دونوں لطیف اور رقیق نام ہیں ان میں کا ہر ایک دوسرے سے زیادہ رقیق اور لطیف ہے۔

بعض حضرات نے بسم اللہ میں الرحمٰن کو اللہ کی صفت بنانا ممنوع قرار دیا ہے کیونکہ الرحمٰن اللہ کا دوسرا علمی نام ہے کہ اللہ کے علاوہ دوسرے کیلئے اس کا استعمال نہیں ہوتا اور اعلام صفت نہیں بن سکتے، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس کے وصفی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے اس کو اللہ کی صفت اور نعت بنایا جا سکتا ہے، چنانچہ الرحمٰن اللہ کا نام بھی ہے اور اس کی صفت بھی، دونوں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اس کی اسمیت اس کی وصفیت کے منافی نہیں ہے، بحیثیت صفت ہونے کے اللہ کا تابع ہو کر بھی استعمال ہوا ہے اور بحیثیت اسم علم قرآن میں غیر تابع بھی مستعمل ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

''الرحمن علی العرش استویٰ''

رحمٰن عرش پر مستوی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

حمد کی تحقیق

الحمدلله الذی ارسل رسوله بالھدیٰ ودین الحق لیظھره علی الدین کله وکفیٰ بالله شھیداً وأشھد أن لااله الاالله وحدہٗ لاشریک له. اقراراًبه وتوحیداًوأشھدأن محمداً عبده ورسوله صلی الله علیه وسلم وعلیٰ آله وصحبه وسلم تسلیماً مزیداً. أمابعد!

حمد: نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث مروی ہے جس میں آپ نے فرمایا:

''ہر وہ کلام جس کی ابتدا اللہ تعالیٰ کی حمد اور مجھ پر درود کے بغیر ہوگی وہ ناقص، ناتمام اور برکت سے محروم ہوگا۔'' [1]

بسم اللہ کے سلسلے میں بھی اسی کے مثل حدیث منقول ہے، چنانچہ مؤلفؒ نے دونوں ہی روایتوں پر عمل کرتے ہوئے بسم اللہ اور حمد دونوں کا التزام واہتمام کیا ہے، اور دونوں میں کسی قسم کا کوئی تعارض بھی نہیں ہے کیونکہ ابتدا کی دو قسمیں ہوا کرتی ہیں، حقیقی اور اضافی۔

حمد، ذم کا ضد ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حمدت الرجل أحمده حمداً ومحمداً ومحمدة فھو محمود وحمید اس کا مطلب ہے تعریف کرنا، اور اسی کو تشدید کے ساتھ کہا جائے حمّد الله تو معنی ہوگا اس نے اللہ کی بار بار تعریف وثنا بیان کی اور الحمد للہ کہا۔ حمد کہتے ہیں اختیاری صفات اور خوبی پر زبان کے ذریعے تعریف کرنے کو چاہے کسی نعمت کے بدلے اور نتیجے میں ہو یا بغیر نعمت کے، کہا جاتا ہے:

---

[1] فضیلۃ الشیخ اسماعیل انصاری حاشیہ میں تحریر فرماتے ہیں ''حافظ سخاوی نے اپنی کتاب ''القول البدیع فی الصلاۃ علی الحبیب الشفیع'' میں اس حدیث کو ''کل امرذی بال لایبدأفیه بذکرالله ثم الصلاة علی کفوا قطع لمحرف من کل برکة'' کے الفاظ کے ساتھ ''فوائد ابن عمرو بن مندہ'' کی طرف منسوب کیا ہے اور کہا ہے کہ ''یہ حدیث مشہور تو ہے لیکن ان لفظوں کے ساتھ نہیں، مزید یہ کہ یہ روایت ضعیف ہے۔'' (ندوی)

Www.IslamicBooks.Website

حمدت الرجل علی انعامه، حمدته علی شجاعته یعنی میں نے آدمی کی تعریف اس کے انعام و بہادری کے سبب کی، اب رہا شکر تو یہ کسی خاص نعمت پر ادا کیا جاتا ہے اور اس میں زبان، دل اور اعضاء و جوارح سب شریک ہوتے ہیں، چنانچہ شاعر کہتا ہے:

أفادتكم النعماء مني ثلاثة　　　يدي ولساني والضمير المحجبا

"یعنی میری جانب سے تمہارے انعام کے شکریے کا اظہار میرے تین اعضاء ہاتھ، زبان اور دل سے ہو رہا ہے۔"

اس بنیاد پر حمد اور شکر کے مابین عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہوئی، نعمت کے نتیجے میں بذریعہ زبان اظہار میں دونوں شریک ہیں، البتہ حمد غیر نعمت پر بذریعہ زبان تعریف میں اور شکر نعمت پر بذریعۂ دل اور اعضاء و جوارح تعریف میں منفرد اور الگ ہے، چنانچہ حمد متعلقات کے اعتبار سے عام اور الہ کے اعتبار سے خاص ہے کہ جب کہ شکر متعلقات کے اعتبار سے خاص اور الہ کے اعتبار سے عام ہے۔

اب رہا سوال حمد اور مدح کے مابین فرق کا تو اس سلسلے میں ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ حمد میں محمود کے لئے محبت اور اس کی تعظیم کے جذبے کے ساتھ اس کے محاسن کی خبر دی جاتی ہے اور اس میں خیر اور بھلائی کے ارادے کا بھی دخل ہوتا ہے، جب کہ مدح میں مطلقاً ممدوح کے محاسن کی خبر دی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ مدح شمولیت کے اعتبار سے وسیع تر ہے کیونکہ مدح زندہ، مردہ اور جماد وغیرہ سب کی ہوتی ہے۔

حمد میں الف لام ملحق ہے، یہ استغراق کے لئے بھی ہو سکتا ہے، اس صورت میں حمد و ثنا کے حقیقی اور تقدیری تمام افراد مراد ہوں گے، اور جنس کے لئے بھی، اس صورت میں معنی یہ ہوگا کہ کامل حمد و ثنا صرف اللہ کے لئے ثابت ہے، اس کا مقصد ہے ان تمام کمالی اور جمالی اوصاف اور خوبیوں کا ثبوت، جن پر اللہ تعالیٰ کی تعریف اور حمد و ثنا بیان کی جاتی ہے، کیونکہ جو خوبیاں اور کامل اوصاف سے محروم ہو وہ محمود اور قابل تعریف ہو ہی نہیں

Www.IslamicBooks.Website

سکتا، اور حمد کی انتہا یہ ہے کہ وہ ہر اعتبار اور ہر طریقے سے محمود اور قابل ستائش ہے، اور تمام انواع حمد کے ساتھ ہر اعتبار اور ہر طریقے سے قابل تعریف وہی ہوسکتا ہے جو تمام تر کمالی صفات پر قابض اور غالب ہو، بالکل اس طرح کہ اگر ان جملہ صفات کمالیہ میں سے کوئی ایک صفت بھی معدوم ہوجاتی تو اس کی حمد وثنا میں بھی اس کے بقدر نقص واقع ہوتا۔

رسول: لغوی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو کسی پیغام کے ساتھ بھیجا گیا ہو، چنانچہ اُرسلہ بکذا اس وقت کہا جاتا ہے جب کسی سے کسی چیز کو پہنچانے اور اس کو ادا کرنے کو کہا جائے، اس لفظ کی جمع رُسْلٌ (سین کے سکون کے ساتھ) اور رُسُلٌ (سین کے ضمے کے ساتھ) دونوں طرح مستعمل ہے۔

رسول اور نبی: شرعی اصطلاح میں رسول سے مراد ایسا مرد انسان ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہو، اور اس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہو، لیکن جس کی جانب صرف وحی کی گئی ہو اور تبلیغ کا حکم نہ ہو تو اس کو نبی کہا جاتا ہے، اس اعتبار سے ہر رسول نبی ہوسکتا ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں، بسا اوقات مبعوث شخص صرف نبی ہوتا ہے رسول نہیں ہوتا یعنی اس کو تبلیغ کا حکم نہیں ہوتا،...... اور یہاں عبارت متن میں رسول جو رب کی ضمیر کی طرف مضاف ہے سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

ھدیٰ: ھدیٰ کے لغوی معنی ہیں بیان اور دلالت ورہنمائی، جیسا کہ سورۃ حٰم السجدۃ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

و أما ثمود فهديناهم فاستحبو االعمیٰ علی الهدیٰ

''اور رہی قوم ثمود تو اسے بھی ہم نے راہ حق دکھلا دی لیکن اس نے ہدایت کی راہ چھوڑ کر اندھے پن کا شیوہ اختیار کیا۔''

دوسری جگہ ارشاد ہے:

انا هديناه السبيل اما شاكراً واما كفوراً. (الدھر: ۳)

''ہم نے اس پر راہ عمل کھول دی، اب یہ اس کا کام ہے کہ یا تو شکر کرنے والا ہو یا ناشکرا۔''

Www.IslamicBooks.Website

ھدیٰ اس معنی کے لحاظ سے تمام انسانوں کے لئے عام ہے یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کی بھی یہی صفت بیان کی گئی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان هٰذاالقرآن يهدى للتى هى اقوم. (الاسراء: ۹)

''بلاشبہ یہ قرآن اس راہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے جو سب سے سیدھی راہ ہے۔''

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت کی اسی صفت سے متصف کیا گیا ہے:

وانک لتهدى الى صراط مستقيم. (الشوریٰ: ۵۲)

''بے شک (اے پیغمبر) تم راہ راست کی رہنمائی کررہے ہو۔''

ھدیٰ کا لفظ توفیق اور الھام کے معنوں میں بھی مستعمل ہے، لیکن اس معنی میں اس شخص کے لئے خاص ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فمن يرد الله ان يهديه يشرح صدرهٗ للاسلام.

''جس کو اللہ توفیق دینا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے۔''

اور یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے اس معنی کی نفی کی ہے، فرماتا ہے:

انک لاتهدى من أحببت ولكن الله يهدى من يشاء. (القصص: ۵۶)

''اے پیغمبر تو جسے چاہے ہدایت نہیں کرسکتا بلکہ اللہ تعالیٰ ہی جسے چاہے ہدایت کرتا ہے۔''

اور یہاں (نص کتاب میں) ھدیٰ سے مراد وہ تمام سچی خبریں، صحیح اور درست ایمان، نفع بخش علوم اور تمام اعمال صالحہ ہیں جنہیں لے کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

دین کا لفظ متعدد معنوں کے لئے آتا ہے ان تمام معانی میں ایک معنی ہے جزاء وبدلہ، جیسا کہ قرآن میں ہے: "مالک يوم الدين" اور اسی معنی میں ہے اھل عرب کی یہ مثل بھی "كما يدين الفتى يدان" یعنی جیسا کرے گا ویسی ہی جزا بھی ملے گی۔

Www.IslamicBooks.Website

دین کا دوسرا ایک معنی ہے خضوع اور انقیاد، یعنی مطیع وفرمانبردار ہونا، کہا جاتا ہے کہ "دان لــــہٗ" یعنی اس کے لئے عاجزی اختیار کی اور فرماں بردار ہوا، اور اسی طرح کہتے ہیں کہ "دان اللہ بــکــذا أو عــلــی کــذا." "اس نے فلاں چیز کے ذریعہ اللہ کی فرمانبرداری اختیار کی یعنی اسے بطور دین اختیار کیا۔

یہاں (نص کتاب میں) دین سے مراد وہ تمام احکام وشرائع ہیں جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے چاہے ان کا تعلق اعتقادی امور سے ہو یا قولی وفعلی امور سے۔

دیــن الــحق میں دین کی الحق کی طرف اضافت، اضافت موصوف الی صفت کے قبیل سے ہے، یعنی اس کی اصل "الدین الحق" ہے، اور "الحق" حق یحق کا مصدر ہے، معنی ہے ثابت اور واجب ہونا، الحق سے مراد ہے حقیقی اور ثابت شدہ۔ باطل، حق کی ضد ہے اور باطل وہ شئی ہے جس کی کوئی حقیقت اور اصل نہ ہو۔

"ولیــظــهــره عــلــی الــدیــن کــلــه" میں لام تعلیل کا ہے اور اس کا تعلق فعل ماضی "أرسل" سے ہے، فعل مضارع یـظـهـر "ظهور" سے مشتق ہے جس کا معنی ہے "غلو اور غلبہ" پوری عبارت کا مفہوم ہے "تا کہ اس دین حق کو دلائل اور براہان کے ذریعے تمام ادیان پر سر بلند کر دے۔" یہاں الدین میں الف لام جنس کا ہے، اس میں اسلام کے علاوہ تمام باطل ادیان آجاتے ہیں۔

"و کـفـیٰ باللّٰہ شهیداً" میں شہید بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ ہے جو شَهِدَ سے مشتق ہے، اور شَهِــــدَ فعل یا تو شہادت سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں اخبار اور اعلام۔ یا شہادت بمعنی حضور سے، مفہوم عبارت یہ ہے کہ اپنے رسول کی صداقت کی خبر دیتے ہوئے یا تمام امور سے مکمل طور پر واقف اور مطلع ہونے میں اللہ تعالیٰ کی ذات ہی کافی ہے۔

گذشتہ بحوث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکمل اور پورے طور پر تمام کمالی صفات اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں۔ اور اس کی حمد وثنا اور تعریف کی وجہ اپنے بندوں پر اس کی وہ

Www.IslamicBooks.Website

نعمتیں ہیں جن کا شمار مخلوق کے بس سے باہر ہے، اس کی سب سے عظیم نعمت یہ ہے کہ ان سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام عالم کے لئے رحمت اور نیکوکاروں کے لئے مبشر بنا کر مبعوث کیا تا کہ دین ہدایت اور دین حق کو کامل دلائل وبراہین کے ذریعے تمام ادیان پر غالب کر دے، اور اپنے اس رسول کی صداقت اور اس کی لائی ہوئی شریعت کی حقانیت پر اللہ تعالیٰ کی گواہی ہی کافی ہے، اور اس سلسلے میں اس کی شہادت اور گواہی اس کے قول کے ذریعہ بھی ہوتی ہے اور فعل کے ذریعے بھی، آپ کی لائی ہوئی شریعت کی صداقت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی شہادت یہ ہے کہ اس نے مختلف معجزات اور براہین کے ذریعے اپنے رسول کی پوری طرح مدد فرمائی۔

شہادت: کسی شے کی اطلاع اس کی حقیقت کے مکمل ادراک اور اس کی صحت اور ثبوت کے پختہ یقین کے ساتھ دینا شہادت کہلاتا ہے۔

شہادت کا اعتبار اسی وقت ہوگا جب کہ وہ اقرار واذعان کے ساتھ ہو، نیز زبان ودل دونوں اس کی موافقت کریں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کو ان کے اس قول نشھد انک لرسول اللہ میں جھوٹا قرار دیا ہے باوجودیکہ انہوں نے اپنی زبان سے اقرار کر لیا تھا۔

کلمۂ توحید کا مفہوم: لا الٰہ الا اللہ متفقہ طور پر تمام انبیاء کرام علیھم الصلوٰۃ والسلام کا کلمۂ توحید ہے، بلکہ یہ کہا جائے کہ یہی کلمہ ان کی دعوت ورسالت کا خلاصہ اور اس کا اصل جوہر ہے اور ان میں سے ہر ایک نے اسی کلمہ کو اپنے مشن کا نقطۂ آغاز قرار دیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ”مجھے حکم ہوا ہے کہ میں اس وقت تک قتال کروں جب تک کہ لوگ لا الہ الا اللہ کا اقرار نہ کر لیں، اس کے اقرار کر لینے کے بعد گویا انہوں نے اپنی جان ومال کو مجھ سے محفوظ کر لیا، الا یہ کہ اس کے حق کے ساتھ [1] اور ان کا حساب اللہ کے ذمے ہے۔“

---

[1] بخاری ومسلم کی ایک روایت کے الفاظ یوں ہیں: الا بحق الاسلام ”یعنی الا یہ کہ وہ کسی اسلامی قانون کی زد میں آجائے۔

Www.IslamicBooks.Website

اس کلمہ کی دلالت، توحید پر اس اعتبار سے ہے کہ یہ کلمہ بیک وقت نفی اور اثبات پر مشتمل ہے اور بیک وقت نفی اور اثبات حصر کا متقاضی ہے، اور یہ اسلوب، مجرد اثباتی اسلوب مثلاً "اللہ واحد" کہ اللہ ایک ہے کے مقابلے زیادہ بلیغ ہے، چنانچہ اس کلمہ کے نصف اول سے غیر اللہ کے الوہیت کی نفی اور نصف آخر سے صرف اور صرف اللہ کی الوہیت کا اثبات ہوتا ہے، کلمہ لا الٰہ الا اللہ میں خبر مقدور و محذوف ماننا ضروری ہے اصل عبارت ہے "لامعبود بحق موجود الااللہ" کلمۂ توحید کے بعد مذکور جملہ "لاشریک لہ" کلمۂ توحید کے مفہوم کی تاکید واقع ہے اور اس کے بعد کا "اقرار ا بہ" أشهد فعل مضارع واحد متکلم کا مصدر مؤکدہ ہے اس کا معنی یہ ہے کہ میں زبان و دل سے اقرار کرتا ہوئے شہادت و گواہی دیتا ہوں، اور اس کے معاً بعد جملۂ مکتوب "توحیداً" کا مطلب ہے عبادت میں اللہ تعالیٰ کے لئے مخلص ہو کر، یہاں توحید سے مراد توحید ارادی و طلبی ہے جو کہ توحید معرفت و اثبات پر مبنی ہے۔

اللہ رب العزت کی وحدانیت کی شہادت اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و عبودیت کی گواہی کا ایک ساتھ تذکرہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ دونوں ہی گواہیاں بیک وقت مطلوب ہیں ان میں سے صرف کسی ایک کی شہادت کافی نہیں، اسی غرض کی توضیح کے لئے اذان و تشہد دونوں میں ان دونوں شہادتوں کو معاً ذکر کیا گیا ہے، بعض مفسرین نے آیت کریمہ "ورفعنا لک ذکرک" کی تفسیر ان الفاظ میں کی ہے "لاأذکر الاذکرت معی" یعنی میرے ذکر کے ساتھ آپ کا بھی تذکرہ ہوتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دو صفتیں رسالت و عبدیت کا معاً تذکرہ ہوا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کسی بندے کی تعریف و توصیف کا اگر کوئی اعلیٰ معیار ہو سکتا ہے تو یہی ہے۔

<u>عبادت</u>: یہ وہی حکمت ہے جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی تخلیق فرمائی، جیسا کہ ارشاد ہے:

Www.IslamicBooks.Website

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون.

”میں نے جن وانس کی تخلیق محض اپنی ہی عبادت کے لئے کی ہے۔“

اور مخلوق کی معراج بھی اسی مقصد کے اثبات میں ہے ایک بندہ جس قدر خود کو عبودیت کے قالب میں ڈھالے گا اسی قدر اس کی قدر ومنزلت میں بھی اضافہ ہوگا اور اس کے درجے بلند ہوں گے، اسی لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عز وشرف کے مقامات میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند وبالا مرتبہ و پوزیشن کو بیان کرتے وقت لفظ عبد سے ہی یاد کیا ہے۔ مثلاً:

☆......اسراء اور معراج کے واقعے میں۔

☆......دعوت الی اللہ کے امور کو انجام دینے کے تذکروں میں۔

☆......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب وحی نازل کرنے کے موقع پر۔

☆......آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ وحی کے ذریعے چیلنج کرتے وقت۔

☆......اور اسی طرح ان غلو پسند افراد کے طرز عمل کی تردید کرتے ہوئے بھی عبدیت کے وصف کے ساتھ ہوشیار اور متنبہ کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام ومرتبے کو حد سے بڑھا کر الوہیت کے درجے تک پہونچا دیتے ہیں جیسا کہ بعض گمراہ صوفیوں کا طرز عمل ہے، جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

”مجھے اس قدر نہ بڑھاؤ جیسا کہ نصاریٰ نے عیسیٰ ابن مریم کو بڑھا دیا، میں تو صرف ایک بندہ ہوں بس تم مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔“

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت وعبدیت کی شہادت کا مقصود یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال عبدیت اور کامل رسالت کا اعتراف کرلے، اور اس بات کا بھی اعتراف کرلے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کامل خصوصیات وعادات کے سبب ساری مخلوقات پر فائق اور سب سے ممتاز ہیں، اور یہ شہادت مکمل اس وقت ہوگی

Www.IslamicBooks.Website

جب کہ بندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی تعلیمات کی تصدیق نہ کرلے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی تابعداری اور منہیات سے اجتناب نہ کرلے۔

مفہوم صلاۃ کی تعیین: صلاۃ کا لغوی معنی ہے دعا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

وصل علیهم ان صلاتک سکن لهم. (التوبة : ۱۰۳)

"اور (اے نبی) تم ان کے لئے دعا کرتے رہو، بے شک تمہاری دعائیں ان کے لئے باعث سکون ہیں۔"

☆ لفظ صلاۃ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں ہو تو اس وقت اس کا سب سے صحیح مطلب وہ ہوگا جسے امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں ابوالعالیۃ سے منقولہ روایت میں ذکر کیا ہے۔ فرماتے ہیں: صلاۃ اللہ علی رسول کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا اپنے فرشتوں کے پاس اپنے رسول کی تعریف وتوصیف بیان کرنا۔

☆ لفظ صلاۃ کا صدور فرشتوں کی جانب سے ہو تو اس وقت استغفار کے معنی میں ہوگا، صحیح حدیث میں ہے:

والملائكة يصلون على أحدكم مادام في مجلسه الذى فيه ،يقولون اللهم اغفرله اللهم ارحمه.

"فرشتے تمہارے ایک آدمی کے حق میں دعائے استغفار کرتے رہتے ہیں جب تک کہ وہ اس جگہ بیٹھا رہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے۔ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! اسے بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم فرما۔"

☆ اور عام آدمیوں کی جانب سے اس لفظ کے استعمال ہونے کی صورت میں تضرع اور دعا کا معنی ہوگا،

آل الشخص سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی گہرے تعلق قرابت وغیرہ کے ذریعے اس کی طرف منسوب ہوں، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں وہ لوگ داخل ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، اور یہ بنو ہاشم اور بنو المطلب کے افراد ہیں، اور کبھی آل بول کر آپ صلی

Www.IslamicBooks.Website

اللہ علیہ وسلم کے تمام متبعین مراد لئے جاتے ہیں۔

آل کی اصل اُھل ہے ھا کو ہمزہ سے بدلنے پر دو ہمزہ جمع ہو گئے لہٰذا دوسرے کو الف سے بدل دیا، اس کی تصغیر اُھیل یا اُویل آتی ہے، آل کا استعمال اکثر شرف کے طور پر ہوتا ہے اسی لئے آل اسکاف اور آل حجام نہیں کہہ سکتے۔

صحب سے مراد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں یعنی وہ تمام حضرات جنہوں نے ایمان کی حالت میں آپ سے ملاقات کی اور بحالت ایمان ہی ان کی وفات ہوئی ہو۔

السلام، سلم یسلم تسلیماً کا اسم مصدر ہے معنی ہے ہر مصیبت اور ناپسندیدہ شی سے سلامتی و حفاظت طلب کرنا، السلام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ہے جس کا معنی ہے ہر نقص و عیب سے پاک اور بری ہستی، یا وہ ذات جو آخرت میں اپنے مومن بندوں پر سلام کرنے والا ہے۔

"مزیداً" کا لفظ "تسلیماً" کی صفت ہے اور "زاد" فعل متعدی کا مفعول ہے اور تقدیر ہے "مزیداً فیہ" "اما بعد" یہ ایسا کلمہ ہے جسے مقصود اصلی کے آغاز کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے اپنے خطبات اور رسائل میں بکثرت استعمال کرتے تھے، نحویوں کے نزدیک اس کا مطلب ہے: "مھما یکن من شئ بعد."

Www.IslamicBooks.Website

فرقۂ ناجیہ

فهذا اعتقاد الفرقة الناجية المنصورة الى قيام الساعة أهل السنة والجماعة وهو: الايمان بالله وملائكته وكتبه ورسله والبعث بعد الموت والايمان بالقدر خيره وشره.

یہاں عبارت میں مصنف کے قول ''ھذا'' سے ان تمام ایمانی واعتقادی امور کی جانب اشارہ ہے جن کا اجمالی بیان آگے ''وھوالایمان باللہ'' کے لفظ سے آرہا ہے۔

اعتقاد: اعتقد کذا کا مصدر ہے، مطلب ہے کسی چیز کو بطور عقیدہ اختیار کرنا، یعنی ضمیر و دل اس پر جم جائیں اور اس کے ذریعے اللہ کی قربت حاصل ہو، یہ لفظ ''عقد الحبل'' سے لیا گیا ہے یعنی رسی باندھنا پھر مضبوط اور اعتقاد جازم کے معنی میں اس لفظ کا استعمال ہوا۔

فرقہ: لوگوں کی ایک جماعت کو کہا جاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اخذ کرتے ہوئے اس فرقہ کو ناجیہ یعنی نجات یافتہ اور منصورہ یعنی ''مدد کیا ہوا'' کہا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر باقی رہے گا، کسی ملامت گر کی ملامت اسے کچھ بھی نقصان نہ پہونچا سکے گی یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے گا۔''

اور ایک دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی بنیاد پر بھی کہ ''یہ امت تہتر فرقوں میں منقسم ہوجائے گی سوائے ایک جماعت کے سب جہنم میں جائیں گے، اور وہ (نجات یافتہ جماعت وہ ہوگی) جو اس طریق کار پر کاربند ہوگی جس پر آج میں اور میرے صحابہ ہیں۔''

متن عبارت میں مذکور جملہ ''اھل السنۃ والجماعۃ'' الفرقۃ سے بدل واقع ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

سنت: سنت سے مراد وہ طریقہ ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام تھے، اور یہ طریقہ بدعات وخرافات کے ظہور سے پہلے کا ہے۔

جماعت: گروہ کو کہا جاتا ہے، یہاں جماعت سے مراد اس امت کے اسلاف یعنی صحابہ وتابعین ہیں جو کتاب وسنت کے صحیح وصریح طریقے پر کاربند تھے۔

چھ ایمانیاتی امور: ایمان باللہ اور اسی طرح فرشتوں، تمام آسمانی کتب، رسولوں، موت کے بعد اٹھنے اور بھلی بری تقدیر پر ایمان لانا............ یہ چھ امور ایمان کے ارکان ہیں ان تمام پر کتاب وسنت کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق ایمان لانے سے ہی ایمان مکمل ہوسکتا ہے، جو ان میں سے کسی ایک کا بھی انکار کرے یا صحیح طریقے پر ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ ان چھ امور کا تذکرہ حدیث جبریلؑ میں ہوا ہے جو کہ بہت ہی مشہور حدیث ہے، حضرت جبریل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس، آپ سے اسلام، ایمان اور احسان کے متعلق سوال کرنے کے لئے تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جواب دیا تھا کہ تم اللہ اور اس کے فرشتوں، کتابوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ اور ساتھ ہی بعث بعد الموت اور بھلی بری تقدیر پر بھی ایمان لاؤ تقدیر کا تلخ وشیریں سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ ہے۔

ملائکہ: مَلَک کی جمع ہے اس کی اصل مأ لک ہے جو أُلُــــوكَةٌ سے مشتق ہے جس کے معنی رسالت کے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے جس کا مسکن اللہ تعالیٰ نے آسمان کو مقرر فرمایا ہے تمام ملائکہ مخلوقات سے متعلق تمام امور کو انجام دینے پر مقرر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ان کی صفت یوں بیان فرمائی ہے کہ یہ لوگ اللہ کی جانب سے دیئے گئے احکام کی خلاف ورزی نہیں کرتے بلکہ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے، نیز یہ لوگ بغیر رکے ہوئے صبح وشام مسلسل اس کی تسبیح وتحلیل بیان کرتے رہتے ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

ان کے اعمال اوران کی صفات کے بارے میں کتاب وسنت میں وارد شدہ تمام نصوص پر ایمان لانا واجب اورضروری ہے، نیز کتاب وسنت میں وارد نصوص کے خلاف کسی بھی قسم کے اعتقاد سے اجتناب بھی لازم ہے کیونکہ اس کا تعلق غیبی امور سے ہے جن سے ہم صرف اتنا ہی واقف ہیں جتنا کہ اللہ اوراس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خبر دی ہے۔

کُتُبٌ کتاب کی جمع ہے جو کتب سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں جمع کرنا اور اکٹھا کرنا، یہاں متن عبارت میں کتب سے مراد وہ تمام آسمانی کتابیں ہیں جو رسولوں پر نازل ہوئیں، ان تمام آسمانی کتابوں میں ان چند کتابوں کا ہی ہمیں علم دیا گیا ہے۔

صحف ابراهیم

☆ توریت : یہ کتاب تختیوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ انجیل: یہ کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ زبور : یہ کتاب حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی۔

☆ قرآن کریم: یہ کتاب نزول کے اعتبار سے سب سے آخری ہے، اور پچھلی تمام کتابوں کی تصدیق کرتی ہے، نیز تمام کتابوں پر غالب ہوکر تمام کو منسوخ کرتی ہے، قرآن کے سوا نازل شدہ تمام کتابوں پر صرف اجمالی ایمان واجب ہے۔

رُسُل رسول کی جمع ہے رسول وہ مرد انسان جس کی جانب اللہ تعالیٰ نے کسی شریعت کی وحی کی اوراس کی تبلیغ کا حکم بھی دیا ہو، جیسا کہ پچھلے صفحات میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے، ان تمام انبیاء ورسل پر ایمان لانا واجب ہے جن کا قرآن میں ناموں کے ساتھ ذکر آیا ہے ان کی کل تعداد پچیس (۲۵) ہے جن کا ذکر شاعر نے اپنے ان دوشعروں میں کردیا ہے:

فی "تلک حجتنا" منهم ثمانية من بعد عشر ويبقى سبعة وهم

ادریس هود شعیب صالح و کذا ذوالكفل آدم بالمختار قد ختموا

Www.IslamicBooks.Website

آیت ''تلک حجتنا'' میں دس کے بعد آٹھ (یعنی کل اٹھارہ) کا ذکر ہے، اور سات رہ گئے تو وہ اور ہیں۔ ھود، شعیب، صالح۔ اس طرح ذوالکفل اور آدم میں اور مختار صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کا سلسلہ ختم کردیا گیا ہے۔

سورہ انعام کی آیت نمبر ۸۳ سے ۸۶ تک جن اٹھارہ انبیاے کرام کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:

ابراہیم، اسحاق، یعقوب، نوح، داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ، ہارون، زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس، اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم الصلاۃ والسلام، ان کے علاوہ سات انبیائے کرام جن کا تذکرہ مختلف مقامات میں ہے وہ یہ ہیں:

ادریس، ھود، شعیب، صالح، ذوالکفل، آدم اور محمد علیہم السلام۔

ان انبیائے کرام اور رسولوں کے علاوہ بھی جتنے انبیاء ورسل ہیں ان تمام پر اجمالی طور پر ایمان رکھیں گے، وہ اس طرح کہ ان کے اسماء اور ان کی تعداد کی تلاش وجستجو کے بغیر ہم ان کی نبوت ورسالت پر مکمل ایمان رکھیں گے کیونکہ اس کا تعلق ان امور سے ہے جن کا خصوصی علم صرف اللہ کو ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ورسلاً قد قصصناهم عليك من قبل ورسلاً لم نقصصهم عليك.

''اور بہت سے رسولوں کے واقعات ہم پہلے سنا چکے ہیں اور بہت سے رسولوں کا حال ہم نے تمہیں نہیں سنایا۔'' (النساء:۱۶۴)

اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ ان تمام انبیاء ورسل نے اپنے ساتھ لائی ہوئی شریعت اللہ کے حکم کے مطابق مکمل طور سے پہونچادی اور اسے اس قدر واضح کردی کہ ان میں سے کسی ایک کی جانب بھی جہل ونادانستگی کی نسبت کی گنجائش ہی نہیں ہے، نیز اس بات پر بھی ایمان رکھنا ضروری ہے کہ تمام انبیاء ورسول جھوٹ وخیانت، کتمان اور بلادت جیسی ہر قسم کی سفلی صفات سے بری اور بالکل معصوم ہیں۔ ان میں سب سے افضل اولوالعزم انبیاء کرام ہیں، ان اولوالعزم انبیاء میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم، ابراہیم علیہ

Www.IslamicBooks.Website

السلام، موسیٰ علیہ السلام، عیسیٰ علیہ السلام اور نوح علیہ السلام مشہور ہیں کیونکہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ایک ساتھ ہوا ہے:

واذأخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ بن مریم.

"جب کہ ہم نے تمام نبیوں سے عہد لیا اور (اے نبی) تم سے ابراہیم، موسیٰ اور مریم کے بیٹے عیسیٰ سے۔" (الاحزاب:۷)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

شرع لکم من الدین ماوصیٰ بہ نوحاً والذی أوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ أن أقیموا الدین ولاتتفرقوا فیہ.

"اللہ نے تمہارے لئے وہی دین مقرر کردیا ہے جس کے قائم کرنے کا اس نے نوح کو حکم دیا تھا اور جس کی وحی ہم نے تیری طرف بھیجی، جس کا تاکیدی حکم ہم نے ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ کو دیا تھا، کہ اس دین کو قائم رکھنا اور اس میں پھوٹ نہ ڈالنا۔" (الشوریٰ:۱۳)

بعث لغت میں اثارہ اور تحریک کو کہتے ہیں یعنی بھڑکا دینا اور حرکت پیدا کرنا، شرعی اصطلاح میں بعث سے مراد ہے لوگوں کے مابین فیصلے کی غرض سے بروز قیامت مردوں کو زندہ کر کے ان کی قبروں سے نکالنا ہے، چنانچہ جو شخص ذرہ برابر بھی نیکی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا اور جو مثل ذرہ بھی شر کرے گا تو وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔

بعث پر بالکل ویسے ہی ایمان لانا واجب اور ضروری ہے جیسے اللہ نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے یعنی دنیاوی اجساد واجسام کے بکھرے ہوئے اور تحلیل شدہ اعضاء کے اجزاء کو جمع کرنا اور اس کی از سر نو تخلیق کر کے اس میں دوبارہ زندگی ڈال دینا۔

جسمانی اور بدنی بعث کے منکرین فلاسفہ اور نصاریٰ وغیرہ کافر ہیں اور رہے وہ لوگ جو جسمانی بعث کا اقرار تو کرتے ہیں لیکن ان کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ارواح کو دنیاوی اجسام کے علاوہ دوسرے اجسام میں اٹھائے گا تو یہ لوگ بدعتی اور فاسق ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

قدر: اصل میں مصدر ہے، کہا جاتا ہے قدرت الشئ ماضی میں دال کے فتحہ کے ساتھ اور دال کے کسرہ کے ساتھ بھی، و أقدرہ مضارع میں دال کے کسرہ کے ساتھ قدراً و قدراً اس کا معنیٰ ہے مقدار کا احاطہ کرنا۔

شرعی اصطلاح میں قدر سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کی مقدار اور ان کے زمانوں سے ازلی طور پر واقف ہوا، پھر اس نے اپنی قدرت ومشیت سے اپنے علم کے مطابق اس کی تخلیق کی، اور ان کو ظاہر کرنے سے قبل ہی اس نے انہیں لوح محفوظ میں لکھ لیا، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے:

''اللہ تعالیٰ نے اول قلم کو پیدا کیا، پھر اس سے کہا کہ لکھ دے، قلم نے کہا کہ میں کیا لکھوں؟ اللہ تعالیٰ نے کہا جو کچھ واقع ہونے والا ہے اسے لکھ دے۔''

اس سلسلے میں قرآن کی آیت ہے:

ماأصاب من مصيبة فى الأرض ولافى انفسكم الافى كتاب من قبل أن نبرأها.

''جو مصیبت بھی زمین پر نازل ہوتی ہے یا تمہاری جانوں پر، تو وہ لوح محفوظ میں قبل اس کے کہ ہم اسے پیدا کریں لکھی ہوئی ہے۔'' (حدید :۲۲)

Www.IslamicBooks.Website

ذات وصفات کے باب میں اہل سنت کا موقف

ومن الایمان باللہ: الایمان بما وصف به نفسه فی کتابه وبما وصفه به رسوله من غیر تحریف ولا تعطیل ومن غیر تکییف ولاتمثیل . بل یومنون بأن اللہ سبحانهٗ (لیس کمثلہٖ شیئ وھو السمیع البصیر).

یہاں سے ایمانیات کا تفصیلی بیان آرہا ہے۔ ومن الایمان باللہ میں لفظ ''من'' ضیہ ہے، مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت کے جملہ ایمانیاتی امور میں بحیثیت سرچشمہ اول کے جو سب سے اہم اور اساسی اصول ہے، وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا، یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ان تمام صفات پر ایمان رکھتے ہیں جن سے خود اس نے اپنے آپ کو متصف کیا ہے یا اس کے رسول نے جن صفات کا اس کو حامل قرار دیا ہے بغیر کسی تحریف و تعطیل کے اور بغیر اس کے کہ ان کی کیفیت متعین کی جائے یا ان کی تمثیل بیان کی جائے۔ ''من غیر تحریف'' یہ جملہ اس کے ماقبل جملہ ''الایمان بما وصف به نفسه'' سے متعلق ہے، یعنی وہ لوگ صفات الٰہیہ پر تمام باطل معانی سے پرہیز کرتے ہوئے ایمان رکھتے ہیں یعنی اس کے لئے صفات کو تمثیل بیان کئے بغیر ثابت کرتے ہیں اور اگر کسی صفت سے منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں تو بلا تعطیل۔

<u>تحریف</u>: لغوی اعتبار سے یہ لفظ اہل عرب کے اس قول ''حرفت الشیئ عن وجھه'' سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے جھکا دینا اور بدل دینا، یہ لفظ ''باب ضرب'' سے آتا ہے، اس میں تشدید مبالغہ کی ہے۔

کسی کلام کے اندر تحریف کا مطلب یہ ہے کہ کلام کو رائج اور متبادر معنی سے ہٹا کر اسے دوسرا کوئی ایسا معنی دے دیا جائے جس پر وہ لفظ دلالت نہ کر رہا ہو الا یہ کہ کوئی

Www.IslamicBooks.Website

مرجوح احتمال ہو لیکن اس صورت میں بھی اس میں کوئی ایسا قرینہ پایا جانا ضروری ہے جس سے مراد واضح ہو سکے۔

تعطیل: یہ لفظ عطل سے ماخوذ ہے اس کا معنی ہے خلو، فراغ اور ترک، قرآن میں ہے "وبئـر معطلة" یعنی وہاں کے لوگوں نے اسے چھوڑ دیا اور وہاں آنا ترک کر دیا۔

یہاں صفات کے باب میں تعطیل سے مراد ہے الٰہی صفات کی نفی کر دینا اور اللہ کی ذات کے ساتھ ان صفات کو قائم ماننے سے انکار کر دینا۔

تحریف اور تعطیل میں فرق: کتاب وسنت سے ثابت شدہ درست اور صحیح معنی کی نفی تعطیل ہے جب کہ نصوص کی ایسے باطل مفہوم ومعانی سے تفسیر کرنا جو ثابت نہ ہوں تحریف ہے، دونوں کے مابین عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، تعطیل تحریف سے عام ہے یعنی جب بھی کسی کلام میں تحریف پائی جائے گی تو تعطیل بھی ساتھ ہی ہوگی، جب کہ اس کے برعکس تعطیل کے وقت تحریف کا وجود ضروری نہیں۔ اسی بنیاد پر صفات کے باب میں جو لوگ باطل معانی کا اثبات اور حقیقی معنی کی نفی کرتے ہیں تو ان کے طرز عمل سے تعطیل وتحریف دونوں کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور جو لوگ کتاب وسنت میں وارد شدہ صفات کی نفی کرتے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ ان کا ظاہری معنی مراد نہیں ہے ساتھ ہی ان کا کوئی دوسرا معنی بھی متعین نہیں کرتے تو ان کے رویے میں صرف تعطیل پائی جاتی ہے اور یہ لوگ اپنے اس طرز عمل کو تفویض کا نام دیتے ہیں۔

اس تفویض والے طرز عمل کو اہل سنت والجماعت کا طریقہ ثابت کرنا نہایت ہی غلط ہے۔ بعض متأخرین اشاعرہ وغیرہ نے اس عمل کو اہل سنت کی طرف منسوب کرنے کی کوشش کی ہے، جب کہ یہ اہل سنت کا طریقہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ سلف معنی کی معرفت اور اس کے علم میں کبھی بھی تفویض کے قائل نہیں رہے۔ اور نہ ہی ان کے نزدیک کوئی ایسا

Www.IslamicBooks.Website

کلام ہے جسے پڑھتے تو ہوں لیکن اس کا مفہوم و معنی نہ سمجھتے ہوں بلکہ وہ لوگ کتاب وسنت کے جملہ نصوص کے معانی کو بحسن وخوبی سمجھتے تھے، اور نصوص سے ثابت شدہ صفات کو اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت بھی کرتے تھے، البتہ ان صفات کی کیفیات اور ان کی حقیقتوں کو اللہ کے حوالے کر دیا کرتے تھے، جیسا کہ امام مالکؒ سے جب اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کی کیفیت کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

"الاستواء معلوم والکیف مجهول"

استواء کا معنی معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت مجہول ہے۔

تکییف اور تمثیل میں فرق: اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت ایسی ہے یا اس کی صفات کی کیفیت کے متعلق سوال کرنا "تکییف" ہے۔ اور اس بات کا عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوقات کی صفات کی مثل ہیں "تمثیل" کہلاتی ہے۔

من غیر تکییف کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اہل سنت صفات کے کیفیت کی بالکلیہ نفی کر دیتے ہیں کیونکہ ہر شئی کی کوئی نہ کوئی کیفیت ضرور ہوگی بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ صفات کی کیفیت کے علم کی نفی کرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی کیفیت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

لیس کمثلہٖ شئ وھو السمیع البصیر

اس کے مثل کوئی شئی نہیں وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے۔

یہ کتاب اللہ کی ایک محکم آیت ہے جو صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کے نزدیک ایک دستور اور قانون کی حیثیت رکھتی ہے، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نفی واثبات دونوں کو ایک جگہ جمع کر دیا ہے، چنانچہ اس آیت میں اس نے اپنی ذات سے مثل کی نفی کرتے ہوئے اپنے لئے دوصفت سمع وبصر کا اثبات کیا ہے، اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ مطلق طور سے صفات کی نفی کر دینا بھی صحیح اور برحق طریقہ نہیں ہے جیسا کہ معطلہ کرتے ہیں، اور نہ ہی صفات کا مطلق اثبات جیسا کہ ممثلہ کا اصول ہے، بلکہ

Www.IslamicBooks.Website

صفات کو بلا تمثیل ثابت کرنا ہی طریقۂ حق ہے۔

آیت کریمہ میں لفظ ''کمثل'' کا اعراب مختلف فیہ ہے لیکن سب سے صحیح یہ ہے کہ اس میں ''کاف'' کا اضافہ تاکید اور زور پیدا کرنے کے لئے کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

لیس کمثل الفتی زهیر خلق یوازیه فی الفضائل

نوجوان زہیر کے مثل کوئی نہیں کہ فضائل میں اس کا مقابلہ کر سکے۔

فلاینفون عنه ماوصف به نفسه، ولا یحرفون الکلم عن مواضعهٖ ولا یلحدون فی اسماء الله وآیاتهٖ، ولا یکیفون ولا یمثلون صفاته بصفات خلقه لأنه سبحانه لاسمی له ولا کف له ولا ندله ولا یقاس بخلقه سبحانه وتعالیٰ.

یہ عبارت بھی صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کے گزشتہ موقف کی تفریع ہے، چنانچہ یہ حضرات اپنے خاص موقف کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہوئے اس کی صفات کا نہ تو انکار و نفی کرتے ہیں اور نہ ہی ان کلمات کو ان کے حقیقی معانی و مفہوم سے ہٹاتے ہیں، نہ ہی صفات کی کیفیت بیان کرتے ہیں اور نہ ہی مماثل۔

عبارت متن میں وارد شدہ لفظ ''مواضع'' موضع کی جمع ہے عبارت میں مواضع سے مراد وہ معانی و مفاہیم ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے متعلق وارد شدہ کلمات کو منطبق کرنا لازم اور ضروری ہے کیونکہ یہی معانی حقیقی اور ثابت شدہ ہیں، چنانچہ اہل سنت والجماعت صفات کے باب میں ان حقیقی معانی سے اعراض و انحراف نہیں کرتے۔

<u>الحاد کا مفہوم</u>: رہا مؤلفؒ کا یہ قول کہ ''اہل سنت اللہ کی آیات اور اس کے اسماء و صفات میں الحاد نہیں کرتے'' تو علامہ ابن القیمؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کا مطلب ہے ان اسماء اور ان کے حقائق و معانی کے سلسلے میں حق

Www.IslamicBooks.Website

اور ثابت شدہ موقف سے انحراف کر لینا۔ الحاد کا معنی ہے ایک طرف جھکاؤ اور میلان، ل ح د کا مادہ اسی معنی پر مشتمل ہے، اسی مادے سے مرکب ایک لفظ ہے "لحد" قبر کے ایک کنارے کے شگاف کو لحد کہا جاتا ہے جو بیچ سے ایک طرف مائل ہوتا ہے۔ اسی سے "الملحد فی الدین" ہے جس کے معنی ہیں حق سے اعراض وانحراف کرنے والا اور حق میں غیر حق کی آمیزش کرنے والا۔

اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں الحاد کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں۔ مثلاً:

۱......تمام تر اسماء وصفات کے بالکلیہ جحد وانکار کر دینا۔

۲......ان اسماء وصفات کے معانی ومفاہیم کا انکار کر کے انہیں معطل چھوڑ دینا۔

۳......انہیں صحیح اور درست معانی سے پھیر کر ان کی فاسد اور باطل تاویلات کر کے۔

۴......ان اسماء وصفات کو چند بدعات وخرافات کے لئے علامات وغیرہ متعین کر کے، جیسا کہ اہل اتحاد ان کے اندر الحاد کے مرتکب ہوئے ہیں۔

گذشتہ سطور کا خلاصہ یہ ہے کہ سلف صالحین ہر اس خبر پر پوری طرح ایمان رکھتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں اپنی کتاب میں بیان کی ہے نیز ان تمام خبروں پر بھی جو اس کی ذات وصفات کے بارے میں اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے، یہ لوگ ان تمام خبروں پر ہر قسم کی تحریف وتعطیل اور تکییف وتمثیل سے بچتے ہوئے ایمان رکھتے ہیں، اور ذات باری تعالیٰ اور اس کی صفات کے متعلق کلام وگفتگو کو ایک ہی قبیل سے تسلیم کرتے ہیں کیونکہ صفات کے سلسلے میں گفتگو ذات کے سلسلے میں گفتگو کی ہی فرع ہے اور دونوں ایک ہی ہیں، چنانچہ جب ذات کو ثابت کریں گے تو وجود کا اثبات ہوگا وجود کی کیفیت کا نہیں، یہی حال صفات کے اثبات کا بھی ہے، اپنے اسی موقف کی تعبیر سلف نے ان لفظوں میں کی ہے:

تمر کما جاء ت بلا تاویل"

یعنی اسماء وصفات کے باب میں جو بھی نصوص وارد ہیں انہیں تسلیم کر کے

Www.IslamicBooks.Website

بلا تاویل گزر جاؤ۔

جو لوگ سلف کے اس نقطۂ نظر کو نہ سمجھ سکے وہ یہ خیال کر بیٹھے کہ اس عبارت سے ان کی مراد معنی سے تعرض کیئے بغیر صرف لفظ کی قراءت ہے، جب کہ یہ خیال باطل ہے۔ بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات میں ممنوعہ تاویل سے مراد یہ ہے کہ معنی کی حقیقت واصلیت اور اس کی کیفیت کے پیچھے نہ پڑا جائے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ صرف انہیں اوصاف سے اللہ تعالیٰ کو متصف مانا جائے گا جن اوصاف وصفات کو خود اس نے اپنے لئے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے ثابت کیا ہے، اس سلسلے میں کتاب وسنت سے تجاوز نہیں کیا جا سکتا۔"

امام بخاریؒ کے شیخ نعیم بن حمادؒ فرماتے ہیں: جس نے اللہ کو مخلوق کے مشابہ قرار دیا اس نے کفر کیا اور جس نے ان صفات کا انکار کیا جن صفات سے اللہ تعالیٰ نے خود کو متصف فرمایا ہے اس نے بھی کفر کیا۔ اور جن صفات سے اللہ نے خود کو متصف کیا ہے یا اس کے رسول نے اس کو متصف کیا ہے ان میں کسی بھی قسم کی تشبیہ اور تمثیل نہیں ہے۔

مؤلفؒ کی ذکر کردہ آگے کی عبارت "**لأنه سبحانه لا سمي له ولا كفأ له ولا ندله**" اہل سنت والجماعت کے موقف کے متعلق دی گئی گذشتہ خبر کی تعلیل ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی صفات کی کیفیت اور ان کی مثال بیان نہیں کرتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا نہ تو کوئی ہمنام ہے اور نہ کوئی نظیر، اور نہ ہی اس کے برابر کوئی ہے اور نہ شریک۔

لاسمی لہ کا مطلب یہ ہے کہ کوئی اس کا نظیر نہیں جو اس کا ہمنام ہو سکے، یا کوئی اس کا مقابل نہیں جو اس کے سامنے اپنی بڑائی جتلا سکے، اس امر کی وضاحت سورۂ مریم میں مذکور اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ہوتی ہے: ﴿**هل تعلم له سميا**﴾ کیا تم اس کا کوئی ہمنام جانتے ہو؟ یہاں پر آیت کریمہ میں استفہام انکاری ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا کوئی ہمنام نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ہمنام کی نفی کا یہ مطلب نہیں کہ کسی کو اللہ کے نام جیسا نام نہ

Www.IslamicBooks.Website

دیا جائے، کیونکہ بہت سے اسماء اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے درمیان مشترک ہیں، بلکہ اس نفی کا مقصد یہ ہے کہ ان اسماء کو جب اللہ کے لئے بولا جائے تو اس کا معنیٰ اللہ کے ساتھ خاص ہوگا کوئی دوسرا اس میں شریک نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے اسماء میں اشتراک تو صرف اس کے مفہوم کلی میں ہے۔ اور یہ صرف ذہنی ہوتا ہے۔ لیکن خارج میں اس کا خاص جزئی معنی مراد ہوگا۔ اور اس معنی کی تعیین مضاف الیہ کے اعتبار سے ہوگی۔ اگر اسم کی اضافت رب کی طرف ہے تو یہ اس کے لئے خاص ہوگا بندہ اس میں شریک نہ ہوگا۔ اور اگر اضافت بندے کی طرف ہے تو یہ بندے کے لئے خاص ہوگا رب اس میں شریک نہ ہوگا۔

کفء کا لفظ مساوی کے معنی میں مستعمل ہے کسی کے اس کے برابر اور مساوی ہونے کی نفی سورۂ اخلاص کی اس آیت سے بھی ہوتی ہے: ولم یکن له کفواً أحد ''کوئی اس کے مساوی نہیں''

ند کا لفظ بھی مساوی اور مد مقابل کے معنوں میں مستعمل ہے۔ قرآن میں ہے:

فلا تجعلو اللہ انداداً وانتم تعلمون.

اللہ کی ذات کو اس کی مخلوقات پر قیاس کرنا

رہا صاحب کتاب کا یہ قول: **ولا یقاس بخلقه** ''اس کی ذات کو اس کی مخلوقات پر قیاس نہیں کیا جا سکتا'' تو اس سے مقصود یہ ہے کہ الٰہی امور میں کسی بھی قسم کے ایسے قیاسات کا استعمال جائز نہیں جن سے مقیس اور مقیس علیہ کے درمیان مساوات ومماثلت لازم آتی ہو۔

ایسے قیاسات میں سے ایک ہے قیاس تمثیل جو کہ علماء اصولیین کے پاس معروف ہے اس کی تعریف یوں ہے:

الحاق فرع بأصل فى حكم الجامع.

Www.IslamicBooks.Website

یعنی ایک ہی حکم میں فرع کو اصل کے ساتھ ملا دینا۔ مثلاً شراب کی حرمت کے حکم میں نبیذ کو شامل کر لینا کیونکہ اس حکم کی علت میں دونوں شریک ہیں وہ علت ہے اسکار ونشہ۔

قیاس تمثیل کا دارومدار اصل اور فرع کے مابین مماثلت کے وجود پر ہے اور اللہ تعالیٰ کی اس کی مخلوقات میں سے کسی کے ذریعہ تمثیل بیان کرنا جائز نہیں۔

اور اسی طرح قیاس شمول جو کہ منطقیوں کے پاس معروف ہے وہ یہ ہے:

الاستدلال بكلي على جزئي بواسطة اندراج ذالك الجزئي مع غيره تحت هذا الكلي."

یعنی اس قیاس کا دارومدار بھی اس کلی کے ماتحت افراد کی برابری پر ہے اس لئے ان افراد پر وہی حکم صادق آئے گا جو اس کلی پر صادق آتا ہے۔

یہ بات طے شدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوقات کے مابین کسی بھی قسم کی مساوات اور مماثلت ممکن ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حق میں اگر کوئی قیاس درست ہوسکتا ہے تو وہ ہے "قیاس اولیٰ"۔ قیاس اولیٰ کا مضمون یہ ہے کہ ہر وہ کمال جو مخلوقات کے لئے ثابت ہے اور یہ بھی ممکن ہو کہ اس سے خالق بھی متصف ہو تو مخلوق کے مقابلے میں خالق اس کا زیادہ مستحق ہوگا اور اسی طرح ہر وہ نقص وعیب جس سے مخلوق منزہ اور بری ہو تو خالق ان نقائص وعیوب سے بدرجۂ اتم منزہ اور پاک ہوگا۔

اسی طرح قاعدۂ کمال کا استعمال بھی درست ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جب دو افراد کو پرکھا جائے تو ان میں سے ایک صفت کمال کے ساتھ متصف ہو اور دوسرے کے لئے اس سے متصف ہونا محال ہو تو ان دونوں میں پہلا دوسرے کے مد مقابل اکمل ہوگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان صفات کو ثابت کرنا واجب ہے جن کے وجود سے کمال اور جن کے نہ ماننے سے نقص لازم آتا ہو۔

Www.IslamicBooks.Website

صفات کے بارے میں وارد نصوص کی حیثیت

فانه أعلم بنفسه وبغيره وأصدق قيلا، وأحسن حديثا من خلقه ثم رسله صادقون مصدقون بخلاف الذين يقولون عليه مالايعلمون. ولهٰذا قال ﴿سبحان ربک رب العزة عمايصفون وسلام على المرسلين والحمدلله رب العالمين.﴾ فسبح نفسه عما وصفه به المخالفون للرسل وسلم على المرسلين لسلامة ماقالوه من النقص والعيب.

صاحب کتاب کا قول ''فانہ اعلم سے ثم رسلہ صادقون مصدقون'' تک، کتاب وسنت میں وارد شدہ جملہ صفات پر ایمان لانے کے سلسلے میں مذہب سلف کی درستگی کی تعلیل میں واقع ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنے اور دوسروں کے بارے میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا، اپنے قول میں سب سے سچا اور طرز کلام میں سب سے بہتر ہے نیز اس کے تمام رسول وانبیائے کرام بھی اس کے متعلق خبر دینے میں سچے، اس کی شان میں کذب بیانی یا اس کے متعلق خلاف واقع خبر دینے سے بری اور معصوم ہیں تو صفات کے باب میں چاہے ان کا تعلق نفی سے ہو یا اثبات سے، اللہ تعالیٰ کے فرمان اور اس کے اس رسول کے فرمان پر جو کہ اس کے بارے میں اس کی جملہ مخلوقات سے زیادہ علم رکھتا ہے اعتماد و بھروسہ کرنا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اسے اللہ تعالیٰ پر محض جھوٹی افترا بازی اور اس کے متعلق بے علمی کی باتیں کرنے والوں کے اقوال وآراء کے مقابلے ترک نہیں کیا جا سکتا۔

اس امر کی مزید وضاحت یہ ہے کہ کسی بھی کلام کا مرادی مفہوم اگر سمجھ میں نہ آسکے تو اس کے تین اسباب میں سے کوئی ایک سبب ہو سکتا ہے۔

ا...... یا تو متکلم جس سلسلے میں گفتگو کر رہا ہے اس سے واقف نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

۲......یا واقف تو ہے لیکن فصاحت وسلاست کے ساتھ بات کی وضاحت کرنے کی قدرت نہ ہو۔

۳......یا متکلم جان بوجھ کر خلاف واقع بات کہتا ہو اور اصل بات کو دھوکے سے چھپا رہا ہو۔

جہاں تک سوال ہے کتاب وسنت کے نصوص کا تو وہ ان تینوں قسم کے نقائص اور عیوب سے پوری طرح منزہ اور بری ہیں۔ کیونکہ اللہ اور اس کے رسول کا کلام تو حد درجہ واضح اور مبین ہے۔ اور بلحاظ خارجی کمال علم سے حاصل ہونے کی وجہ سے صداقت اور حقیقت حال کے موافق ہونے میں اعلیٰ نمونہ تصور کیا جاتا ہے۔ مزید برآں مخلوقات کی مکمل خیر خواہی وشفقت اور ان کی ہدایت ورہنمائی کی شدید خواہش جیسے جذبات کے ساتھ صادر شدہ ہے۔

اس کلام میں وہ تینوں امور پوری طرح شامل ہیں جو کہ دلالت وافہام کے عنصر اور جوہر تسلیم کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات سے پوری طرح واقف تھے جس کی اطلاع مخلوق کو دینا چاہتے تھے، اور آپ کے اندر اسے سلاست وفصاحت کے ساتھ بیان کرنے کی قدرت وطاقت بھی تھی نیز آپ مخلوق کی ہدایت اور ان کی رہنمائی کے حد درجہ شائق اور حریص بھی تھے۔ اس صورت حال میں ممکن ہی نہیں کہ آپ کے کلام میں کسی قسم کا نقص یا جھول ہو، برخلاف دوسروں کے کلام کے کیونکہ آپ کے سوا دوسروں کا کلام ان میں سے کسی یا تمام نقص اور جھول سے خالی نہیں ہوسکتا۔ اور یہ نقص ان تینوں عناصر میں سے کسی ایک میں بھی ہوسکتا ہے اور تینوں میں بھی، آپ کے کلام سے کسی اور کے کلام کا موازنہ بھی صحیح نہیں ہوسکتا چہ جائے کہ آپ کے کلام کو ترک کر کے کسی اور کا کلام اختیار کیا جائے یہ تو حد درجہ کی گمراہی اور انتہائی درجے کی سرکشی ہوگی۔

صاحب کتاب کا یہ قول ولھذا قال...... تعلیل ہے اس گذشتہ گفتگو کی جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کا کلام اور اسی طرح اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

Www.IslamicBooks.Website

بھی سچائی میں کامل، پندونصیحت کے اعتبار سے مکمل اور دوسروں کے کلام کے مقابلے میں ہر قسم کے عیوب ونقائص سے پوری طرح منزہ اور محفوظ ہے۔

﴿سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون.﴾

سبحان: یہ لفظ ''التسبیح'' سے اسم مصدر ہے جس کا معنی ہے ہر قسم کے عیب ونقص سے منزہ اور پاک۔ اس کی اصل ''سبح'' ہے جو سرعت، انطلاق اور ابعاد کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی سے تیز رفتار گھوڑے کو ''فرس سبوح'' کہا جاتا ہے۔

''رب العزت'' میں عزت کی طرف رب کی اضافت ''اضافت موصوف الی صفت'' کی قبیل سے ہے۔ ''رب العزۃ'' میں ''رب'' پہلے جملے میں واقع رب سے بدل واقع ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو ان تمام نقائص وعیوب سے منزہ اور پاک بتایا ہے جنہیں مشرکین اس کی جانب منسوب کرتے ہیں۔ مثلاً صاحب آل واولاد ہونا وغیرہ۔ پھر اس کے معاً بعد اپنے تمام انبیاء ورسل پر سلامتی بھیجی۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات کو ہر قسم کے عیوب ونقائص سے منزہ اور پاک ثابت کرنا ضروری اور واجب ہے ویسے ہی انبیائے کرام کے لئے بھی ان کے اقوال وافعال میں ہر قسم کے عیب ونقص سے پاک اور محفوظ رہنے کا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ چنانچہ یہ لوگ نہ تو اللہ پر کوئی الزام لگاتے ہیں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک بناتے ہیں اور نہ ہی اپنی قوم کے ساتھ کوئی دھوکہ وخیانت کرتے ہیں۔ اللہ رب العزت کے بارے میں سوائے حق کے کوئی اور بات نہیں کہتے۔

بعد کی آیت ''والحمد للہ رب العالمین'' میں اللہ تعالیٰ نے اپنی حمد وثنا بیان کی ہے۔ کیونکہ وہی ہے جس کے لئے مکمل کمالی صفات اور جلالی اوصاف ثابت ہیں نیز قابل ستائش امور وافعال کا مالک بھی وہی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

باب صفات میں نفی واثبات

وھو سبحانه قد جمع فیما وصف وسمیٰ به نفسه بین النفی والاثبات.

گذشتہ صفحات میں صاحب کتاب نے اس بات کی صراحت فرمائی کہ اہل سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کوانہی صفات سے متصف مانتے ہیں جن سے خوداس نے اپنے آپ کومتصف کیاہے یااس کے رسول نے جن صفات کااس کوحامل قراردیاہے۔اس کی ذات کوصفات سے متصف کرنے کاطریقہ نہ توکمل اثباتی ہی ہے اورنہ ہی مکمل نفی کی صورت میں، پھراسی موقف کی طرف توجہ مبذول کراتے ہوئے فرماتے ہیں:

وھو سبحانه قد جمع فیما وصف وسمیٰ به نفسه بین النفی والاثبات.

''یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات وصفات سے متعلق ان تمام چیزوں کوجمع کردیا جونفی واثبات کرتے ہوئے اس نے بذات خوداپنے لئے بیان کیا۔''

یہ بات ذہن نشین رہے کہ اسماء وصفات کے اندراثبات اورنفی کے موقف میں اجمال بھی ہےاور تفصیل بھی۔

نفی میں اجمال یہ ہے کہ ہرقسم کے عیوب ونقائص سے جوکہ اللہ تعالیٰ کے کمال کے منافی اورمخالف ہیں اس کی ذات کومنزہ اورپاک قراردیاجائے۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایاہے:"**لیس کمثله شیٔ**"کوئی چیزاس کے مثل نہیں۔(سورہ شوریٰ:۱۱)

﴿**ھل تعلم له سمیا**﴾ ''کیاتم اس کاکوئی ہمنام جانتے ہو؟'' (مریم:۶۵)

﴿**سبحان اللہ عما یصفون**﴾ ''اللہ ان باتوں سے پاک ہے جویہ لوگ بیان کرتے ہیں۔'' (الصافات:۱۵۹)

نفی کے اندرتفصیل کامطلب یہ ہے کہ ہرقسم کے عیوب اورنقائص میں بالتفصیل ہرایک عیب سے اس کی ذات کومنزہ اوربری ثابت کیاجائے۔مثلاً:اللہ تعالیٰ کسی کاوالد نہیں، کسی کاولدنہیں،کوئی اس کاشریک نہیں۔اس کی بیوی نہیں اوراسی طرح نہ تواس کا

Www.IslamicBooks.Website

کوئی ہمسر ہے اور نہ ہی ضد۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جہل ، عجز، ضلال، نسیان، اونگھ ، نیند اور عبث و باطل وغیرہ وغیرہ ان تمام عیوب اور نقائص سے منزہ اور پاک وصاف ہے، لیکن واضح رہے کہ صفات کے باب میں نفی محض نہ تو کتاب اللہ میں ہے اور نہ سنت رسول میں، کیونکہ صرف نفی قابل مدح نہیں ہے۔ ان دونوں صورتوں میں چاہے نفی اجمالی ہو یا تفصیلی مقصود صرف یہ ہے کہ ایسی صفت ثابت کی جائے جو اس کے برعکس کمال پر دلالت کرتی ہو، چنانچہ شریک اور مثل کی نفی اللہ تعالیٰ کی کمال عظمت اور کمالی صفات میں اس کی انفرادیت ثابت کرنے کے لئے ہے۔ اور اس کی ذات سے عجز کی نفی سے اس کی کمال قدرت ثابت ہوتی ہے۔ جہل کی نفی سے اس کے علم کی وسعت واحاطے کا اثبات ہوتا ہے۔ اسی طرح ظلم کی نفی میں اس کے کمال عدل، عبث کی نفی سے اس کی کمال حکمت، اونگھ، نیند اور موت کی نفی سے اس کی کمال حیات اور صفت قیومیت کا اثبات ہوتا ہے۔

چونکہ نفی محض قابل مدح نہیں ہے اسی لئے کتاب وسنت میں اگر نفی کا بیان بھی ہوا ہے تو اکثر وبیشتر اجمالی ہے برعکس اثبات کے کیونکہ اثبات میں اجمال سے زیادہ تفصیل ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ مقصود بالذات یہی ہے۔

اثبات کے اندر اجمال یہ ہے کہ بالعموم تمام کمالی صفات اور حمد ومجد کو ثابت کیا جائے، جس کی طرف اشارہ اللہ کے اس قول میں ملتا ہے۔ "الحمد للہ رب العالمین" کامل حمد وثنا اللہ کے لئے ثابت ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے: "وللہ المثل الأعلى" "اور اللہ کے لئے تو سب سے عمدہ مثال ہے۔" (النحل: ٦٠)

اب رہی دوسری صورت اثبات کے اندر تفصیل کی تو اس ضمن میں ہر وہ اسم اور صفت داخل ہے جو کتاب وسنت میں وارد ہے۔ ان اسماء وصفات کی تعداد اس قدر ہے کہ شمار سے باہر ہے ان میں کچھ اسماء وصفات ایسے بھی ہیں جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر رکھا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"سبحانک لانحصی ثناء علیک أنت کما اثنیت علی نفسک."

Www.IslamicBooks.Website

''تو منزہ اور پاک ہے، ہم تیری خوبیوں کا شمار نہیں کر سکتے، تو ویسا ہی ہے جیسی تو نے اپنی تعریف کی''

اور ایک حدیث میں یوں ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرب ومصیبت کے وقت دعا سکھلائی ہے:

''أسألک بکل اسم ہو لک سمیت بہ نفسک أو أنزلتہٗ فی کتابک أو علمتہ أحداً من خلقک أو استأثرت بہ فی علم الغیب عندک.''

''میں سوال کرتا ہوں تیرے اس نام کے ذریعے جسے تو نے اپنے لئے پسند فرمایا یا تو نے اپنی کتاب میں نازل کیا، یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو سکھایا یا اپنے علم غیب میں اسے محفوظ رکھا............'' (صحیح۔ احمد وابن حبان)

Www.IslamicBooks.Website

صراط مستقیم

فلاعدول لأهل السنة والجماعة عما جاء به المرسلون فانه الصراط المستقيم صراط الذين أنعم الله عليهم من النبيين والصديقين والشهداء والصالحين.

یہ گذشتہ تفصیل کا ماحصل ہے جس میں کہا گیا ہے کہ انبیائے کرام کے ذریعے لائے گئے امور برحق ہیں جن کی اتباع واجب اور انحراف کسی بھی صورت میں درست نہیں، اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ یہی صراط مستقیم ہے یعنی سیدھا اور متعدل راستہ جس میں ذرا بھی کجی اور ٹیڑھا نہیں ہے۔

صراط مستقیم صرف ایک ہی ہو سکتا ہے جو بھی اس سے نکل بھاگا اور جس نے بھی اس سے انحراف کیا گویا وہ ذلت وگمراہی کے راستوں میں سے کسی ایک راستے میں پھنس گیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وأن هذا صراطي مستقيما فاتبعوه ولاتتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله. (الأنعام: ۱۵۳)

"اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے لہٰذا تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو وہ اس کے راستے سے ہٹا کر تمہیں پراگندہ کردیں گے۔"

صراط مستقیم امت وسط کا راستہ ہے جو افراط وتفریط کے درمیان واقع ہے، اسی لئے اللہ رب العزت نے ہمیں اس بات کی تعلیم دی اور حکم دیا کہ ہم نماز کی ہر رکعت میں اس سے سوال کریں کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلائے، یعنی اس راستے کے اختیار کرنے اور پیروی کرنے کی توفیق بخشے، کیونکہ یہ ان لوگوں کا راستہ ہے جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اور وہ ہیں انبیائے کرام، صدیقین، شہداء اور صالحین، یہ لوگ کتنے بہترین رفیق اور دوست ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

سورۂ اخلاص

وقد دخل فی هذه الجملة ماوصف اللہ به نفسه من سورة الأخلاص التی تعدل ثلث القرآن حیث یقول: قل هو اللہ أحد، اللہ الصمد، لم یلد ولم یولد، ولم یکن له کفوا أحد.

یہاں سے کتاب وسنت کے وہ نصوص بیان کئے جارہے ہیں جن سے اسماء وصفات کے اندر نفی واثبات کے موقف پر ایمان لانے کا وجوب ثابت ہوتا ہے۔......اور ابتداء سورہ اخلاص جیسی عظیم سورہ سے ہوئی، کیونکہ یہ پوری سورہ ایک ایسے مضمون پر مشتمل ہے جن پر دوسری مکمل سورتیں مشتمل نہیں ہیں، شرک وبت پرستی کے شوائب سے پاک خالص توحید کے تذکرے کے سبب اس کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا۔

مسند احمد بن حنبل میں اس سورہ کے سبب نزول کے بارے میں اُبی بن کعبؓ سے ایک روایت منقول ہے کہ مشرکین نے آپ سے کہا کہ آپ اپنے رب کا نسب نامہ بیان کیجئے۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورت نازل فرمائی۔

صحیح حدیث سے یہ ثابت ہے کہ یہ سورہ ثلث قرآن کے برابر ہے لیکن اس کی توضیح کے سلسلے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں، ان تمام اقوال میں اقرب الی الصحیح وہ قول ہے جسے شیخ الاسلام نے ابوالعباس سے نقل کیا ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم تین بنیادی مقاصد پر مشتمل ہے:

۱...... اُوامر اور نواہی، جن کا تعلق ان امور سے ہے جو عملی ہیں اور یہی علم فقہ واخلاص کا موضوع بھی ہے۔

۲...... قصص اور اُخبار، جو کہ انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے احوال اور ان کے ساتھ ان کی امتوں کے رویے اور ان کی تکذیب کرنے والوں کی ہلاکتوں کی مختلف اقسام نیز وعدہ ووعید اور ثواب وعقاب کے احوال پر مشتمل ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

۳......علم توحید اور وہ تمام امور جن کی اللہ تعالیٰ کی اس کے اسماء وصفات کے ذریعے معرفت بندوں پر واجب ہے۔ اور یہ تیسری قسم ان میں سب سے اشرف وافضل ہے۔ اجمالی طور پر اس سورہ کے اس علم کے اصول پر مشتمل ہونے کے سبب یہ کہنا صحیح اور درست ہے کہ یہ سورہ ثلث قرآن کے برابر ہے۔

اب رہا یہ سوال کہ یہ سورہ علوم توحید کے مکمل اصول پر کیسے مشتمل ہے جو کہ توحید عملی واعتقادی کے سنگم ہیں، تو اس کا جواب یہ ہے کہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿اللہ أحد﴾ اس کی ذات وصفات اور افعال میں ہر پہلو سے شریک وساجھیدار کی نفی کرتا ہے اور ساتھ ہی اس سے اس کی عظمت وبزرگی، جلالت وکبریائی کے ساتھ یکتائی اور انفرادیت ظاہر ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ اُحد کا استعمال صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے جو کہ ''واحد'' کے مقابلے میں زیادہ بلیغ ہے۔

اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اللہ الصمد﴾ کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے:

> ''سید جو اپنی سیادت اور اقتدار میں درجۂ کمال تک پہونچا ہوا ہو، شریف جو اپنی شرافت میں کامل ہو، عظیم جو اپنی عظمت وبزرگی میں درجۂ کمال پر فائز ہو، حلیم وبردبار جو اپنی بردباری میں مکمل ہو چکا ہو، غنی وبے نیاز جو اپنی بے نیازی میں کامل ہو، علیم جو اپنی صفت علم میں کامل ہو، صاحب قدرت وتسلط جو اپنی قدرت تسلط میں کامل ہو، حکیم جو اپنی حکمت میں کامل ہو، اور وہ جو شرف وسیادت کی تمام انواع میں کامل درجہ رکھتا ہو وہ صرف اللہ کی ذات ہے یہ اسی کی صفت ہے جو صرف اسی کے لائق ومناسب ہے اس کا کوئی ہمسر نہیں، اور کوئی شئ اس کے مثل بھی نہیں۔''

صمد کی تفسیر ''الذی لا جوف فیہ'' سے بھی کی گئی ہے جس کا معنی، جس کا کوئی پیٹ نہ ہو'' اس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی ذات ہی ہے جس کی طرف

Www.IslamicBooks.Website

پوری مخلوق رخ کرتی ہے اور اپنی جملہ حاجات ومہمات میں اسی کی طرف قصد کرتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے لئے یکتائی اور احدیت کی صفت ثابت کرنے سے اس کے ساتھ کسی چیز کی مشارکت ومماثلث کی نفی ہوتی ہے اور اسی طرح بیان کردہ تمام معنوں کے ساتھ صفت صمدیت کے اثبات سے اس کے اسمائے حسنیٰ اور بلند وبرتر صفات کی تمام تر تفاصیل کا اثبات صادق آتا ہے۔ اور اسی کا نام توحید اثباتی ہے۔

رہی دوسری قسم تو وہ ہے ''توحید تنزیہی'' اس کا ذکر سورۂ اخلاص کی آخری دو آیتوں میں ہے:۔

﴿لم يلد ولم يولد. ولم يكن له كفواً أحد﴾

''نہ اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور اس کا کوئی ہمسر نہیں۔''

اس توحید کا اجمالی تذکرہ اس سورہ کی پہلی آیت ﴿قل هو الله أحد﴾ میں بھی موجود ہے۔

یعنی نہ تو اس سے کوئی چیز نکلی ہے اور نہ کسی کا جزء ہے اور نہ تو کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی مماثل اور نظیر ہے۔

غور کیجئے کہ یہ سورہ کس قدر مکمل طور پر عقیدۂ توحید اور معرفت توحید پر مشتمل نظر آتی ہے نیز ان صفات پر بھی جن کا اثبات اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے واجب اور ضروری ہے مثلاً اُحدیت اور یکتائی کا اثبات جس سے مشارکت کی نفی ہوتی ہے۔ صفت صمدیت کا اثبات جس سے اللہ تعالیٰ کے لئے وہ تمام کمالی صفات ثابت ہوتی ہیں جن میں کسی بھی قسم کا کوئی نقص نہیں، اور اسی طرح اس کے لئے ولد ووالد کی نفی جو اس کی بے نیازی، اس کی صمدیت اور اس کی یکتائی کے لوازم میں سے ہے، پھر ہمسری کی نفی جو کہ تشبیہ، تمثیل اور نظیر کی نفی پر مشتمل ہے۔

تو جو سورہ ان تمام معارف پر مشتمل ہو تو وہ ثلث قرآن کے برابر کیوں نہیں ہوگی۔؟

Www.IslamicBooks.Website

آیۃ الکرسی

وما وصف به نفسه فی اعظم آیة فی کتابه حیث یقول:

﴿الله لااله الاهو الحی القیوم. لاتأخذه سنة ولا نوم له مافی السمٰوات وما فی الأرض من ذاالذی یشفع عنده الا باذنه یعلم مابین ایدیهم وما خلفهم ولایحیطون بشیٔ من علمه الا بماشاء وسع کرسیه السمٰوات والأرض ولا یئوده حفظهما وهو العلی العظیم﴾

صحیح مسلم میں ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث منقول ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا: ''اللہ کی کتاب میں سب سے عظیم آیت کون سی ہے؟ انہوں نے کہا: اللہ اور اس کے رسول زیادہ جانتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا یہی سوال کئی بار دہرایا، پھر اُبی بن کعبؓ نے جواب دیا: آیۃ الکرسی، تو اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک ان کے کندھے پر رکھا اور فرمایا: یہ علم تمہیں مبارک ہو، ابومنذر! اُحمد کی روایت میں الفاظ یوں ہیں: ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس (آیت الکرسی) کی ایک زبان اور دو ہونٹ ہیں عرش کے پاس اللہ تعالیٰ کی تعظیم وتقدیس بیان کرتے ہیں۔''

یہ کوئی قابل تعجب بات نہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں اللہ رب العزت کے ان اسماء صفات کا تذکرہ ہے جو اس کے علاوہ کسی دوسری آیت میں نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق اس بات کی خبر دی ہے کہ وہ اپنی الوہیت میں تنہا اور اکیلا ہے جس کی بنیاد پر عبادت کی تمام تر قسمیں اور صورتیں صرف اور صرف اسی کو زیب دیتی ہیں۔ پھر آگے مسئلۂ توحید کا تذکرہ ان دلائل وشواہد کے ذریعے کیا جو اس مسئلے کو واضح کرتے ہیں، اور بطور دلیل وشاہد کے اپنے خصائص وکامل صفات کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ اس نے بیان کیا کہ حقیقی زندگی اسی کو حاصل ہے جو کمال حیات سے

Www.IslamicBooks.Website

متصف ہے کیونکہ اس کی حیات اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے، گویا اس کی حیات ازلی وابدی ہے اور اس کے اپنی حیات میں صفت کمال کے ساتھ متصف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی جملہ ذاتی صفات بھی لازماً صفت کمال سے متصف ہوں گی، یعنی عزت وقدرت، علم وحکمت، سمع وبصر، ارادہ ومشیئت وغیرہ تمام صفات بھی کامل درجے کی ہوں گی، کیونکہ ان میں سے کوئی صفت اگر اس کے ساتھ متصف ہونے سے رہ جائے تو اس کی صفت حیات میں نقص لازم آئے گا۔ چنانچہ اگر اسے حیات میں کمال حاصل ہے تو اس کی دوسری وہ تمام صفات بھی کامل درجے کی ہوں گی جو اس کی حیات کاملہ کے ساتھ لازم ہیں۔

پھر اسی سے متصل اپنے ایک اسم ''قیوم'' کا ذکر فرمایا جس کا معنی ہے وہ ذات جو خود مختار اور اپنی مخلوقات سے اس طرح بے نیاز ہو کہ اس میں ذرا بھی حاجتمندی کا شائبہ تک نہ ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ذاتی ہے، اور تمام تر موجودات اسی کی ذات سے مرتبط ہیں کیونکہ یہ سب کے سب ذاتی طور پر اس کے اس قدر محتاج ہیں کہ لمحہ بھر کے لئے بھی اس سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہو سکتے، اس نے ان تمام کو بالکل مضبوط اور مناسب طریقے پر پیدا کیا ہے، ان کے متعلق جملہ امور کا انتظام اور ان کی بقا و مقرر کردہ کمال وانتہا تک پہونچنے کے لئے درکار تمام اشیاء سے مدد بھی وہی کرتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا اسم ''قیوم'' ان تمام کمالی صفات کو شامل ہے جن کا تعلق فعل سے ہے۔ اسی طرح اس کا اسم ''حی'' ان تمام کمالی صفات پر دال ہے جن کا تعلق ذات سے ہے۔ اسی بنا پر حدیث میں اس بات کی صراحت بیان کی گئی ہے کہ ''حی'' اور ''قیوم'' یہ اللہ تعالیٰ کے دو اسم اعظم ہیں، جب بھی ان کے واسطے سے سوال کیا جائے گا تو ملے گا۔ اور جب بھی اس کے ذریعے دعا کی جائے گی مقبول ہوگی۔

پھر اس کے معاً بعد ان امور کا تذکرہ فرمایا جن سے اللہ تعالیٰ کی کمال قیومیت ظاہر ہوتی ہے...... فرمایا: (لاتأخذه سنة ولا نوم) ''اس پر اونگھ اور نیند کا غلبہ نہیں

Www.IslamicBooks.Website

ہوتا'' کیونکہ یہ چیزیں قیومیت کے منافی ہیں۔ اور نیند کو تو اُخوالموت کہا گیا ہے۔ اسی لئے اہل جنت کو نیند بھی نہیں آئے گی۔

پھر آگے اپنی ملکیت وتسلط کا تذکرہ فرمایا کہ بالائی وزیریں تمام کائنات اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: (لہ مافی السمٰوات ومافی الأرض) ''آسمان اورزمین کی تمام چیزیں اسی کی ملکیت میں ہیں''

آگے ان امور کا تذکرہ کیا جو اس کی کامل ملکیت اور اقتدار کو ثابت کرتے ہیں۔ فرمایا: (من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ) یعنی سفارش وشفاعت بھی مکمل طور پر اسی کی ملکیت میں ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی بھی اس کے پاس سفارشی بن کر نہیں آسکتا۔ آیت کریمہ کے اس جزء میں نفی اور استثناء سے دو باتوں کا اشارہ ملتا ہے۔

ا......سب سے پہلی بات یہ کہ شفاعت صحیحہ ثابت ہے، اور یہ اس شخص کے حق میں ہوگی جس کے قول وعمل سے اللہ رب العزت راضی وخوش ہوگا۔

۲......دوسرے یہ کہ اس شفاعت شرکیہ کا ابطال ہوتا ہے جس کا مشرکین اپنے اصنام کے سلسلے میں اعتقاد رکھتے ہیں، مشرکین اپنے اصنام کے تعلق سے اس بات کا عقیدہ رکھتے ہیں کہ یہ سب اصنام اللہ کی اجازت اور اس کی رضا کے بغیر ان کے لئے سفارشی بن کر آئیں گے۔

اس کے بعد اس نے اپنے علم کی وسعت اور اس کے احاطے کو بیان کیا کہ ماضی اور مستقبل کے جملہ امور میں سے کچھ بھی اس سے مخفی وپوشیدہ نہیں، اور اس کی مخلوق تو اس کے علم کو پا ہی نہیں سکتی، (ولا یحیطون بشیٔ من علمہ) میں من علمہٖ کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مخلوق اس کی معلومات میں سے کچھ بھی پا نہیں سکتی۔ دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی اس کے اسماء وصفات کے علم کو پا نہیں سکتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ خود انہیں اس کا علم دینا چاہے یا تو اپنے رسولوں کے زبانی یا اس کے علاوہ کسی اور طریقے سے۔

پھر ان امور کا ذکر کیا جو اس کی عظیم ملکیت اور اس کے اقتدار وتسلط کی وسعت پر

دال ہیں، فرمایا (وسع کرسیه السمٰوات والأرض) کہ اس کی کرسی پورے آسمان وزمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ کرسی کے سلسلے میں صحیح بات یہ ہے کہ یہ عرش کے علاوہ ایک شئ ہے، اور یہ ہے دونوں قدموں کے رکھنے کی جگہ۔ عرش کے سامنے جس کی حیثیت اس انگوٹھی کی سی ہے جو ایک بڑے سے چٹیل میدان میں رکھی ہوئی ہو۔

ابن کثیرؒ نے ابن عباس سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں کرسی کی تفسیر علم سے کی گئی ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس کے صحیح ماننے کی صورت میں آیت کے اندر تکرار لازم آئے گی۔

اور پھر اپنی عظیم قدرت اور کمال قوت کی خبر ان الفاظ میں دی: (ولا یؤده حفظهما) ''یعنی آسمان وزمین اور اس کے مابین کی نگرانی اس کو تکان میں نہیں ڈالتی'' یؤده کی تفسیر شیخ نے یثقله ویکثره سے کی ہے۔ اگر کوئی چیز کسی پر بھاری اور گراں گزرے تو اس وقت کہا جاتا ہے ''آده الأمر'' یعنی معاملے نے اس کو تھکا دیا۔

اور اختتام آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان دو صفات کو اپنے ساتھ متصف فرمایا: (وهو العلی العظیم) ''یعنی وہ بلندی اور عظمت والا ہے''۔

پہلی صفت ''العلی'' کا مطلب ہے وہ ذات جس کے لئے مطلقاً ہر پہلو سے علو اور بلندی ثابت ہو۔

علو ذات: ذات کے اعتبار سے بلند ہونے کا مطلب ہے اس کا تمام مخلوقات سے بلند عرش پر مستوی ہونا۔

علو قدر: قدر ومنزلت کے اعتبار سے بلند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اس کے لئے جتنی بھی صفات ثابت ہیں سب کامل درجے کی ہیں، اور ان تمام کامل صفات میں بھی جو سب سے بلند اور اعلیٰ مرتبہ کی ہیں وہ صرف اسی کے لئے ہیں۔

علو القهر: وہ غلبے اور تسلط کے اعتبار سے بھی بلند وبالا ہے کیونکہ وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے اور وہی حکیم اور خبیر بھی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اس کی دوسری صفت "العظیم" کا مطلب یہ ہے کہ وہ صفت عظمت کے ساتھ اس طرح متصف ہے کہ اس سے بڑھ کر نہ تو کوئی عظمت والا ہے اور نہ ہی اس سے بڑھ کر کوئی جلالت شان اور بزرگی والا ہے۔ اس کے انبیائے کرام، ملائکہ اور اس کے مخلصین کے دلوں میں صرف وہی کامل تعظیم کے لائق ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کی چار صفات

وقوله سبحانه:

هو الأول و الآخر و الظاهر و الباطن وهو بكل شئ عليم. (الحدید: ۳)

اس آیت کریمہ میں دو متقابل صفات کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے ان چار خصوصی اسماء کا ذکر ہے جن کے معانی اس کے جلال وعظمت کے مطابق اسی کے لئے خاص ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی کسی اور کی صفت نہیں بن سکتا۔

ان اسماء کی تفسیر کے سلسلے میں متکلمین کی عبارتیں مضطرب و متناقض ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کی تفسیر کے بعد ان تفسیروں کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بستر پر تشریف لے جاتے تو یہ دعا فرماتے تھے:

> ”اے اللہ! تو ساتوں آسمان وزمین کا رب ہے، اور عرش عظیم کا رب ہے، تو ہمارا اور ساری کائنات کا رب ہے، دانے اور بیجوں کو پھاڑنے والا ہے، تورات وانجیل کو نازل کرنے والا ہے، میں تیری پناہ چاہتا ہوں اپنے نفس کے شر اور اس جاندار کے شر سے جس کی جان تیرے ہاتھ میں ہے، تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کوئی چیز نہیں، اور تو ہی آخر ہے تیرے بعد کوئی چیز نہیں، اور تو ہی ظاہر ہے تیرے اوپر کوئی شی نہیں، اور تو ہی باطن ہے تجھ سے ورے کوئی شی نہیں، میرے قرضوں کو ادا کر دے اور مجھے فقر سے نجات دے۔“ (مسلم)

یہ ایک واضح اور جامع تفسیر ہے جو اللہ کی کمال عظمت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ اور اس سے اس بات کا بھی علم ہوتا ہے کہ وہ تمام تر پہلوؤں سے ہر شی کو گھیرے ہوئے ہے۔ ”الأول والآخر“ ان دونوں اسماء سے احاطۂ زمانی اور ”الظاهر و الباطن“

Www.IslamicBooks.Website

سے احاطۂ مکانی کی وضاحت ہوتی ہے، اسی طرح "الظاهر" سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ وہ اپنی تمام تر مخلوقات پر بلند ہے۔ ان میں سے کوئی بھی شئی اس کے اوپر نہیں ہے۔

ان چاروں اسماء کا مدار احاطہ اور وسعت پر ہے، چنانچہ اس کے اول وآخر ہونے کی کیفیت اوائل واواخر کو گھیرے ہوئے ہے اور اس کی ظاہریت وباطنیت ہر ظاہر وباطن کا احاطہ کئے ہوئے ہے، .... نیز اس کا اسم "الأول" اس کے قدیم وازلی ہونے پر دال ہے، اور دوسرا اسم "الآخر" اس کی بقا وابدیت کی خبر دیتا ہے۔ اور تیسرا اسم "الظاهر" اس کی بلندی وعظمت کا پتہ دیتا ہے، اور چوتھے اسم "الباطن" سے اس کا قرب اور اس کی معیت ثابت ہوتی ہے۔ پھر اس آیت کا اختتام ایک ایسی خبر ہوا جس کے ذریعے جملہ امور سے متعلق اس کی واقفیت اور اس کے علم کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ ان امور کا تعلق ماضی، حال ومستقبل کے احوال سے ہو یا بالائی وزیریں کائنات کی اشیاء سے ہو یا قطعی وامکانی اور محالی امور سے آسمان وزمین کی کوئی بھی شئی اس سے ذرہ برابر بھی مخفی نہیں ہے، پس مذکورہ تمام آیت صریح طور پر یہ واضح کر رہی ہے کہ وہ اپنی تمام مخلوقات کا ہر جانب سے احاطہ کئے ہوئے ہے، نیز اس کے قبضۂ قدرت میں پوری کائنات کی حیثیت رائی کے ایک دانے کی طرح ہے جس کا کوئی بھی حصہ پکڑ سے الگ نہیں ہو سکتا۔

ان چاروں صفات کے درمیان باوجودیکہ یہ ایک ہی موصوف کی صفات ہیں واوِ عطف داخل کیا گیا ہے، یہ اضافہ معنی میں ثبوت اور تاکید پیدا کرنے کے لئے ہے، کیونکہ حرف واو صفت متقدم کی تاکید کرتا ہے، اور ان دو متقابل صفات کے مابین واو کا ادخال مستحسن بھی ہے جن میں عدم اتصال کا وہم ہو، کیونکہ ظاہری اعتبار سے اولیت آخریت کے منافی ہے اور یہی حال باقی دو صفات الظاهر والباطن کا بھی ہے، اس تاکید سے اس قسم کا وہم دفع ہو گیا۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت علم اور بعض صفات کا اثبات

وقوله سبحانهٗ :

وتوكل على الحى الذى لايموت. (الفرقان : ۵۸)

وقولهٗ سبحانهٗ: (وهو العلى الحكيم).

(وهو العليم الخبير).

(يعلم مايلج فى الأرض ومايخرج منها، وماينزل من السماء ومايعرج فيها). (الحديد : ۴)

(وعنده مفاتيح الغيب لايعلمها الاهو ويعلم مافى البر والبحر وماتسقط من ورقة الا يعلمها ولاحبة فى ظلمات الأرض ولا رطب ولا يابس الا فى كتاب مبين.) (الانعام : ۵۹)

وقولهٗ: (وماتحمل من انثىٰ ولاتضع الا بعلمه). (فاطر : ۱۱)

وقولهٗ: (لتعلموا أن الله علىٰ كل شئ قدير. وأن الله قد أحاط بكل شئ علماً.) (الطلاق: ۱۲)

ان تمام آیات کو مولفؒ نے چند اسماء وصفات کو ثابت کرنے کی غرض سے ذکر کیا ہے، چنانچہ پہلی آیت سے اس کے اسم حی کا اثبات ہو رہا ہے، اور یہ اسم، موت کی نفی پر دلالت کرتا ہے جس کی ضد حیات ہے، اور گزشتہ صفحات میں یہ گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ایسی حیات کے ساتھ زندہ ہے جو کہ اس کی ذات کے ساتھ لازم ہے نہ تو کبھی اسے موت ہی آئے گی اور نہ زوال، اس کی زندگی کامل اور مکمل ہے، اسے اس صفت سے متصف ماننے کی صورت میں لازمی طور پر ایسی کمالی صفات ثابت ہوتی ہیں کہ جن کا انکار کر دیا جائے تو کمال حیات کی نفی لازم آئے گی۔

اس کے علاوہ باقی آیات سے اس کی صفت علم کا اثبات ہوتا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

علم اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جس کے توسط سے وہ تمام معلومات کا ادراک اشیاء کی ماہیت کی بنیاد پر کرتا ہے، ان میں سے کوئی بھی شئ اس سے مخفی نہیں ہوتی۔

اسی آیت میں اس کے ایک دوسرے اسم، حکیم کا بھی ذکر ہے۔ یہ حکمت سے مأخوذ ہے اس کے معنی ہیں وہ جو صرف درست اور صحیح ہی کہتا اور کرتا ہے، اس کی جانب سے کسی باطل یا عبث شئ کا صدور نہیں ہوتا بلکہ اس کا ہر تخلیقی عمل اور اس کا ہر امر اس کی حکمت کے تابع ہوا کرتا ہے۔

دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ لفظ حکیم محکم کے معنی میں ہے، گویا فعیل کے وزن پر ہوتے ہوئے بھی مفعل کے معنی میں ہے، محکم کا معنی ہے اشیاء کو ٹھیک اور مضبوط طور پر انجام دینے والا، اس کی ایجادات میں کسی بھی قسم کا تفاوت یا خلل واقع نہیں ہوسکتا، اور نہ ہی اس کی تدبیر میں کوئی خلل یا اضطراب واقع ہوتا ہے۔

اسی طرح آیت میں ایک تیسری صفت خبیر کا بھی ذکر ہے جو ''خبرہ'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اعتماد و یقین کے ساتھ اشیاء کا مکمل تفصیلی علم، نیز تمام معنوی اور حسی دقائق اور باریکیوں تک مکمل رسائی حاصل کر لینا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کی ہمہ گیریت اور وسعت پر دلالت کرنے والی بعض ان اشیاء کا تذکرہ کیا ہے جن کی حقیقت تک مخلوقات کی رسائی ناممکن ہے، چنانچہ فرمایا:

یعلم مایلج فی الأرض وما یخرج منها. وما ینزل من السماء وما یعرج فیها. (السبا: ۲)

یعنی زمین کے اندر دانہ، بیج، پانی، کیڑے مکوڑے اور معدنیات وغیرہ جو کچھ بھی داخل ہوتا ہے سب جانتا ہے، اسی طرح کھیتیاں، پیڑ پودے، جاری چشمے اور نفع بخش معدنیات وغیرہ جو کچھ بھی باہر نکلتا ہے سب کی خبر رکھتا ہے، نیز آسمان سے نازل ہونیوالی تمام چیزوں مثلاً برف، بارش، بجلیاں اور فرشتے وغیرہ سب کا علم رکھتا ہے اور اسی طرح

Www.IslamicBooks.Website

فرشتے، اعمال اور صف بستہ پرندوں وغیرہ جو کچھ بھی آسمان میں چڑھتا ہے سب کو جاننے والا ہے۔

اسی طرح اس کے بعد کی مذکورہ آیت میں فرمایا:

وعندہٗ مفاتیح الغیب لا یعلمھا الاھو. (الانعام: ۵۹)

''اسی کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے''۔

مفاتیح الغیب سے یا پوشیدہ اور مخفی خزانے مراد ہیں یا وہ راستے اور اسباب جن کے ذریعے ان تک رسائی ممکن ہو سکے، مفاتح مِفتَح کی جمع ہے، مفتاح کی جمع بھی ہو سکتی ہے لیکن مفاعیل کی یا کو حذف کر کے۔

اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں صرف اللہ ہی جانتا ہے''

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی:

''ان اللہ عندہ علم الساعة وینزل الغیث ویعلم مافی الأرحام، وماتدری نفس ماذاتکسب غداً. وما تدری نفس بأی أرض تموت. ان اللہ علیم خبیر'' (لقمان: ۳۴)

''اللہ ہی کے پاس قیامت کا علم ہے، وہی بارش نازل کرتا ہے اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کمائے گا، اور کوئی نہیں جانتا کہ وہ کس سرزمین پر مرے گا، بلاشبہ اللہ علیم وخبیر ہے''۔

نصِ کتاب میں مذکورہ آخر کی دو آیتیں اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ عالم ہے اور یہ علم اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، لیکن معتزلہ اس موقف کے خلاف ہیں بلکہ یہ لوگ صفات ہی کے منکر ہیں، یعنی ان کے پاس صفات باری کا الگ سے وجود نہیں بلکہ صفات عین ذات ہیں، اس لئے ان میں سے بعض حضرات کا خیال ہے کہ وہ بذاتہ عالم اور بذاتہ قادر ہے۔ اور انہیں میں سے بعض حضرات

Www.IslamicBooks.Website

ان صفات کا سلبی معنی مراد لیتے ہیں، چنانچہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علیم ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ جاہل نہیں ہے، اور اس کے قادر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ عاجز و مجبور نہیں ہے۔

لیکن یہ تمام آیات معتزلیوں کے موقف کو غلط ثابت کر رہی ہیں، ان میں اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ مؤنث کے حمل اور اس کے جننے کی مدت و کیفیت تک بھی اس کے علم کی رسائی ہے۔

اسی طرح ان آیات میں اس کی قدرت کے عموم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس بات کی خبر دی گئی ہے کہ ہر ممکن شئ سے اس کی قدرت وابستہ ہے نیز اس کا علم تمام اشیاء کو پورے طور پر احاطہ کئے ہوئے ہے، صفات کے باب میں امام عبدالعزیز المکیؒ نے بشر مریسیع معتزلی سے مسئلہ علم میں مناظرے کے وقت کتنی بہترین بات کہی تھی، جس کا تذکرہ امام موصوف نے اپنی کتاب ''الحیدہ'' کے اندر کیا ہے کہ:

''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر کہیں بھی کسی فرشتے یا کسی رسول یا کسی پرہیز گار مومن کے علم کی تعریف ان سے جہل کی نفی کر کے نہیں کی جس سے ان کا عالم ہونا معلوم ہو سکے، بلکہ ان کی تعریف اگر کی ہے تو علم کو ثابت کر کے کی ہے جس سے خود بخود جہل کی نفی ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جس نے علم ثابت کیا اس سے خود بخود جہل کی نفی ہو گئی، لیکن جس نے صرف جہل کی نفی کر دی تو اس سے علم ثابت نہ ہوگا۔''

اللہ تعالیٰ کے عالم ہونے کی عقلی دلیل

اور اللہ تعالیٰ کے علم پر دلیل یہ ہے کہ بے علمی اور عدم واقفیت کی بنیاد پر کسی بھی چیز کی تخلیق و ایجاد امر محال ہے، کیونکہ کوئی بھی تخلیق عمل اور ارادے سے ہی ممکن ہے اور کسی بھی شئ کا ارادہ بغیر علم کے ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ألا یعلم من خلق وهو اللطیف الخبیر'' (الملک : ۱۴)

''آگاہ رہو کہ اس نے جسے بھی پیدا کیا ہے اسے جانتا ہے وہ بڑا باریک بین

Www.IslamicBooks.Website

اور خوب خبر رکھنے والا ہے۔''

مزید مخلوقات کے اندر جو پختگی، اتقان، حیرتناک اور قابل تعجب کاریگری اور پیدائشی ہیئت کے اعتبار سے بہت سی باریکیاں پائی جاتی ہیں، وہ اپنے خالق کے سلسلے میں اس بات کی گواہی دیتی ہیں کہ ان تمام امور کا وجود عدم علم اور ناواقفیت کی بنیاد پر ہو ہی نہیں سکتا، مخلوقات میں بھی ایسے افراد کا وجود ہے جو عالم ہیں، اور علم کمال کی صفت ہے ،چنانچہ اگر اللہ تعالیٰ کو عالم نہ مانیں تو اس کی مخلوق میں سے کچھ افراد کو اس سے بلند مرتبہ اور کامل ماننا لازم آئے گا۔؟

مخلوق کے اندر پایا جانے والا علم کل کا کل اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ ہے، تو دینے اور عطا کرنے والا بدرجۂ اولی اس صفت سے متصف ہوگا ورنہ جس فرد کے پاس جو چیز ہے ہی نہیں دوسروں کو کیسے دے سکتا ہے ؟

اس سلسلے میں فلاسفہ کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جزئیات کا علم نہیں ہے، کہتے ہیں کہ اشیاء کو ثابت شدہ کلی کی بنیاد پر جانتا ہے، جب کہ ان کے اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے صفت علم کی بالکلیہ نفی ہو جا رہی ہے۔ کیونکہ خارج میں صرف جزئی کا ہی وجود ہے۔

اسی طرح قدریہ سے تعلق رکھنے والے بعض غلو پسند حضرات نے عمل کرنے سے قبل بندوں کے افعال کے متعلق اللہ کے علم کی نفی وانکار کردیا ہے۔ صرف اس وہم کی بنیاد پر کہ عمل سے قبل بندوں کے افعال کے علم سے جبر لازم آئے گا، لیکن ان کا خیال تمام ادیان ومذاہب میں مردود وباطل ہے۔

وقوله:

''ان اللّٰہ ھو الرزاق ذو القوۃ المتین'' **(الذاریات:۵۸)**

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اسم رزاق کا ذکر ہے جو کہ مبالغہ کا صیغہ ہے ''رزق'' سے مشتق ہے، اس کے معنی ہیں ''جو اپنے بندوں کو اضافے اور کشادگی کے

Www.IslamicBooks.Website

ساتھ پے در پے مسلسل رزق دے رہا ہے۔'' نیز بندوں کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملنے والا ہر نفع رزق ہے چاہے وہ حرام ہو یا حلال، کیونکہ اس نے لوگوں کے لئے اسے خوراک اور گزر بسر کا ذریعہ بنا دیا ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے:

والنخل باسقات لها طلع نضيد. رزقا للعباد

''اور کھجور کے لمبے درخت اگائے جن کے خوشے تہہ بہ تہہ پھلوں سے بھرے ہوتے ہیں، یہ بندوں کے لئے روزی ہوتی ہے۔'' (ق:۱۰)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وفي السماء رزقكم وما توعدون.

'اور آسمان میں ہی تمہاری روزی ہے اور وہ بہت کچھ ہے جن کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے۔'' (الذاریات:۲۲)

ہاں جس چیز کے کھانے کی اجازت ہے تو وہ حکما حلال ہوئی ورنہ حرام، البتہ رزق میں سب داخل ہے۔

آیت (ان اللہ ھو الرزاق) میں جملہ اسمیہ معرفہ اور دونوں کے درمیان ضمیر فصل اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندوں تک رزق پہونچانا یہ صرف اللہ کا کام ہے۔ ابن مسعودؓ سے ایک روایت مروی ہے فرماتے ہیں کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انہیں اس طرح سکھائی تھی:

﴿انی أنا الرزاق ذو القوة المتين.﴾

''ذو القوۃ'' کا معنی ہے قوت والا، یہ لفظ اللہ کے اسم ''القوی'' کا ہم معنی ہے لیکن معنوی اعتبار سے زیادہ بلیغ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طاقت وقوت میں کسی بھی قسم کا نقص نہیں ہے۔

''المتین'' اللہ کے اسماء حسنیٰ میں سے ہے یہ لفظ ''متانۃ'' سے مشتق ہے۔ ابن عباسؓ نے اس لفظ کی تفسیر ''الشدید'' سے کی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کے لئے سمع وبصر کا اثبات

وقوله: ﴿ليس كمثله شئ وهو السميع البصير﴾ (الشوریٰ:۱۱)

وقوله: ﴿ان الله نعما يعظكم به ان الله كان سميعاً بصيراً﴾ (النساء:۵۸)

آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ سے مثلیت کی نفی کے بعد اس کے دو اسم ''سمیع وبصر'' کا اثبات اس بات پر دال ہے کہ یہاں مثل ومماثلت کی نفی سے صفات کی مراد نہیں، جس کا بعض معطلہ اسی آیت سے استدلال کر کے دعویٰ کرتے ہیں بلکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کو مخلوق کی صفات کے ساتھ مماثلت کی نفی کر کے ثابت کرنا مقصود ہے۔

علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ (ليس كمثله شئ) سے اس بات کی نفی مقصود ہے کہ اس کے ساتھ ایسا معبود یا شریک مانا جائے جو کہ عبادت وتعظیم کا استحقاق رکھے، جیسا کہ مشبہ اور مشرکین کا طرز عمل ہے، اس کا یہ مقصد نہیں کہ اس کی صفات کمال، مخلوق پر اس کی بلندی، بذریعہ کتب یا براہ راست اپنے رسولوں سے اس کے کلام وگفتگو کرنے نیز بالکل واضح طور پر سورج وچاند کی رویت کی طرح مومنین کے لئے اس کی رویت کی نفی کردی جائے''۔

سمیع کا مطلب ہے تمام اصوات کا ادراک کرنے والا خواہ وہ کتنی ہی ہلکی کیوں نہ ہو، وہ مخفی باتوں اور سرگوشیوں کو بھی سنتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مخلوق کے سماع کے مماثل نہیں ہے۔

بصیر کا مطلب ہے اشخاص والوان میں سے تمام مرئیات کا ادراک کرنے والا خواہ یہ چیزیں کتنی ہی لطیف وباریک اور دور کیوں نہ ہوں کسی بھی قسم کے پردے یا آڑ اس کی صفت رویت پر اثر انداز نہیں ہوسکتی، یہ لفظ بروزن فعیل ہے لیکن مفعل کے معنی میں ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کے شایان شان صفت بصر ثابت ہوتی ہے۔

سنن ابوداؤد میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے کہ آپ صلی

Www.IslamicBooks.Website

اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ (ان اللہ کان سمیعاً بصیراً) تلاوت فرمائی اور پھر اپنا انگوٹھا اپنے کان پر رکھا اور اس کی پاس والی انگلی اپنی آنکھ پر رکھا۔

حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کان سے سنتا اور آنکھ سے دیکھتا ہے یہ حدیث بعض اشاعرہ کے موقف کے برخلاف ہے، یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے سننے کی کیفیت کو مسموعات کے علم سے اور دیکھنے کی کیفیت کو مبصرات کے علم سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن یہ تفسیر خطا سے خالی نہیں، کیونکہ ایک اندھا بھی آسمان کے وجود کا علم رکھتا ہے اگر چہ کہ وہ اسے دیکھتا نہیں، اسی طرح ایک گونگا شخص بھی اصوات کے وجود کو جانتا ہے اگر چہ سنتا نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

مشیئت وارادہ کی توضیح

وقوله: ﴿ولولا اذدخلت جنتک قلت ماشاء الله لاقوة الا بالله﴾

(الکهف: ۳۹)

وقوله: ﴿ولوشاء الله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل مايريد﴾(البقرة: ۲۵۳)

وقوله: ﴿أحلت لكم بهيمة الأنعام الا مايتلىٰ عليكم غير محلى الصيد وأنتم حرم. ان الله يحكم مايريد﴾ (المائده: ۱)

وقوله: ﴿فمن يرد الله أن يهديه يشرح صدره للاسلام. ومن يرد أن يضله يجعل صدره ضيقاً حرجاً كأنما يصعد فى السماء﴾ (الانعام: ۱۲۵)

یہ تمام آیات اللہ تعالیٰ کی دوصفات ''ارادہ'' و''مشیئت'' کی طرف رہنمائی کررہی ہیں، اس سلسلے میں بہت سارے نصوص وارد ہوئے ہیں۔

اشاعرہ ایسے واحد قدیم ارادے کو ثابت کرتے ہیں جو کہ ازل میں ہی تمام مرادی اشیاء سے وابستہ ہے، ان کے اس نقطۂ نظر سے ارادے سے مراوی اشیاء کا تخلف لازم آتا ہے، جب کہ معتزلی حضرات اپنے نفیٔ صفات کے موقف کی بنیاد پر صفات میں صفت ارادہ کو مانتے ہی نہیں، ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ حادث ہے وہ ایسے ارادے سے ارادہ کرتا ہے جو کہ حادث ہے اس کے لئے کوئی محل نہیں ہے۔ ان کے اس موقف سے صفات کا عین ذات ہونا لازم آتا ہے جو کہ حد درجہ باطل ہے۔

رہے اہل حق تو ان کے نقطۂ نظر کے مطابق ارادے کی دو قسمیں ہیں:

ارادۂ کونیہ: جسے مشیئت بھی کہا جاتا ہے، اس کا تعلق ہر اس شئ سے ہے جسے اللہ تعالیٰ ظاہر کرنا چاہتا ہے، وہ جب کسی شئ کا ارادہ کرتا ہے اور چاہتا ہے تو وہ شئ اس کے ارادے کے فوراً بعد ہی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿انما أمره اذا اراد شيئاان يقول له كن فيكون﴾ ''اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ

Www.IslamicBooks.Website

کرتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے ''کن''، یعنی ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے۔'' (یٰس : ۸۲)

حدیث صحیح میں ہے: ''اللہ نے جو چاہا ہوا اور جو نہیں چاہا نہ ہوا''۔

ارادۂ شرعیہ: یہ ارادہ اللہ تعالیٰ کے ان پسندیدہ امور سے متعلق ہے جنہیں انجام دینے کا وہ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے، اس کا تذکرہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ملتا ہے:

﴿یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر﴾ ''اللہ تمہارے ساتھ آسانی کرنا چاہتا ہے تمہارے ساتھ تنگی کا معاملہ نہیں کرنا چاہتا'' (البقرۃ:۱۸۵)

ارادۂ کونیہ وارادۂ شرعیہ دونوں کے مابین کسی قسم کا تلازم ویکسانیت نہیں بلکہ دونوں کا تعلق الگ الگ امور سے ہے، نیز دونوں کے درمیان نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے، چنانچہ ارادۂ کونیہ ان امور کے اعتبار سے عام ہے جو اللہ کی مرضی اور اس کی پسند کے برخلاف ہیں۔ اور اس اعتبار سے خاص ہے کہ اس ارادے کا تعلق کافر کے ایمان لانے اور فاسق کے مطیع ہونے سے نہیں۔ اور ارادۂ شرعیہ ہر مامور بہ اشیاء سے متعلق ہونے کے اعتبار سے عام ہے۔ خواہ وہ امور واقع ہو چکے ہوں یا واقع نہ ہوئے ہوں، اور اس اعتبار سے خاص ہے کہ ارادۂ کونیہ کے ذریعے واقع شدہ امور کبھی کبھی مأمور بہ نہیں ہوا کرتے۔

خلاصۂ کلام یہ کہ ارادہ کی یہ دونوں قسمیں بسا اوقات جمع ہو جاتی ہیں، جیسے کہ مومن کے ایمان لانے اور کافر کے مطیع وفرماں بردار ہونے کی مثال ہیں۔ اور ارادۂ کونیہ کافر کے کفر اور عاصی کی معصیت جیسی مثالوں میں منفرد ہو جاتا ہے، جبکہ ارادۂ شرعیہ کافر کے ایمان لانے اور عاصی وگنہگار کے مطیع ہونے کی مثالوں میں منفرد ہو جاتا ہے۔

آیت کریمہ ﴿ولولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ایک بندۂ مومن کی حکایت بیان فرمائی ہے۔ یہ مومن بندہ اپنے ایک کافر دوست کو جو کہ دو عدد باغ کا مالک تھا اس بات کی نصیحت کر رہا تھا کہ اللہ کی عطا

Www.IslamicBooks.Website

کردہ نعمتوں کے بدلے میں اس کا شکریہ ادا کرے، اور انہیں اس کی مشیئت کے حوالے کرتے ہوئے اس کی طاقت وقوت (کو چیلنج کرنے) سے بری ہو جائے کیونکہ سوائے اس کے کوئی طاقت وقوت کا مالک نہیں۔

دوسری آیت ﴿ولو شاء الله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل ما يريد﴾ میں رسولوں کے گزر جانے کے بعد ان کے متبعین کے درمیان آپسی بغض وحسد کی بنیاد پر اٹھے تنازعات اور جھگڑوں کی اطلاع دی گئی ہے، اور اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے سبب ہوا، اگر اللہ تعالیٰ اسے نہ چاہتا تو یہ ہرگز نہ ہوتا لیکن اس نے چاہا تو ایسا ہو کر رہا۔

آیت ﴿فمن يرد الله أن يهديه يشرح صدره للاسلام. ومن يرد أن يضله يجعل صدره ضيقاً حرجاً كأنما يصعد في السماء﴾ سے یہ بات واضح ہو رہی ہے کہ ہدایت اور ضلالت دونوں میں سے ہر ایک کا تعلق اللہ کی مخلوق سے ہے، وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے یعنی جس کے اندر حق کا الہام اور اس کے قبول کرنے کی توفیق دینا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو اسلام کے لئے اس طرح کشادہ کر دیتا ہے کہ اس کے دل میں ایک طرح کا نور داخل کر دیتا ہے جو کہ وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔ اور وہ جسے گمراہ اور رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کے سینے کو حد درجہ تنگ کر دیتا ہے چنانچہ اس کے دل میں ایمان کا نور داخل نہیں ہو پاتا، اس کی تشبیہ اس شخص سے دی گئی جو کہ آسمان پر چڑھ رہا ہو۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے محبت کا بیان

وقوله:

﴿واحسنوا ان الله يحب المحسنين﴾ (البقرة: ۱۹۵)

﴿وأقسطوا ان الله يحب المقسطين﴾ (الحجرات : ۹)

﴿فاستقاموا لكم فاستقيموا لهم ان الله يحب المتقين﴾

﴿ان الله يحب التوابين ويحب المتطهرين﴾

وقوله: ﴿قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله﴾ (آل عمران:۳۱)

وقوله: ﴿فسوف يأتي الله بقوم يحبهم ويحبونه﴾ (المائدة : ۵۴)

وقوله: ﴿ان الله يحب الذين يقاتلون في سبيله صفا كأنهم بنيان مرصوص﴾ (الصف : ۴)

وقوله: ﴿وهو الغفور الودود﴾

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی صفت محبت کے نتیجے میں پیدا شدہ اس کے چند افعال کا اثبات ہورہا ہے۔ وہ بعض اشخاص یا اعمال واخلاق سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا اس کی ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اور یہ اس کی اختیاری صفات میں سے ایک صفت ہے جس کا تعلق اس کی مشیت سے ہے، چنانچہ وہ اپنی کامل حکمت کے سبب بعض اشیاء کے مقابلے میں بعض شئی سے محبت کرتا ہے۔

اشاعرہ اور معتزلہ نے صفت محبت کی نفی کردی محض اس دعوے کی بنیاد پر کہ اس صفت کے اثبات سے اللہ کی شان میں نقص کا وہم لازم آتا ہے کیونکہ مخلوق سے اس کی محبت کا مطلب ہے مناسب یا مرغوب اشیاء کی طرف اس کا میلان۔ اشاعرہ صفت محبت کو صفت ارادہ کا حصہ تصور کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندے سے اللہ کی محبت کا مطلب اس کے سوا کچھ اور نہیں کہ وہ ان کے عزت واکرام اور جزائے خیر عطا کرنے کا ارادہ

Www.IslamicBooks.Website

کرتا ہے۔ نیز رضاء، غضب، کراہیت وسخط جیسی صفات کے متعلق بھی ان کا یہی نظریہ ہے کہ یہ مستقل صفات نہیں بلکہ اس کے ارادہ کے مختلف پہلو ہیں۔ اور معتزلہ چونکہ ارادہ کو ایسی صفت تسلیم نہیں کرتے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے، اس لئے یہ محبت کی تفسیر ثواب سے کرتے ہیں جو کہ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر واجب ہے، کیونکہ ان کے مذہب کے مطابق مطیع وفرمانبردار کو ثواب دینا اور نافرمان کو سزا سے دوچار کرنا اللہ تعالیٰ ذریعہ واجب ہے۔

اہل حق کے نزدیک محبت اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جو اس کے شایان شان ہے جسے تسلیم کرنے سے اس کی شان میں نہ تو کسی قسم کا نقص لازم آتا ہے اور نہ تشبیہ، ساتھ ہی یہ لوگ اس محبت کے لازمی تقاضے کی بھی تصدیق کرتے ہیں اس کا لازمی تقاضا ہے اس کا اس شخص کے اکرام وثواب کا ارادہ کرنا جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

نہیں معلوم کہ اس محبت کی نفی وانکار کرنیوالے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں وارد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ کہ اس قول کا کیا جواب دیں گے۔

''اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو جبریل علیہ السلام سے کہتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تم بھی اس سے محبت کرو، آپ نے فرمایا پھر جبریل علیہ السلام اہل آسمان سے کہتے ہیں کہ تمہارا رب فلاں شخص سے محبت کرتا ہے تم سب بھی اس شخص سے محبت کرو، آپ نے فرمایا پھر اہل آسمان اس شخص سے محبت کرنے لگتے ہیں، یہاں تک کہ زمین میں بھی اس کی قبولیت وپذیرائی ڈال دی جاتی ہے، اور جب وہ کسی سے بغض ونفرت کرتا ہے تو ایسا ہی واقعہ ہوتا ہے''۔ (متفق علیہ)

پہلی آیت کریمہ ﴿واحسنوا ان اللہ یحب المحسنین﴾ میں عمومی احسان کرنے کا حکم ہے یعنی ہر معاملے میں احسان کا رویہ اپنایا جائے بالخصوص ان نفقات کے اندر جس کا اسی آیت کی ابتداء میں حکم دیا گیا ہے:

﴿وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بأیدیکم الی التھلکۃ﴾ اور اللہ

کے راستے میں خرچ کرو اور خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔(البقرہ)

اور اس نفقۂ مامور بہا میں احسان یا تو خرچ وعدم امساک کے ذریعے ہو سکتا ہے یا بخیلی واسراف کے درمیان کی راہ اختیار کرکے۔اور یہ وہی اعتدالی کیفیت ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے سورۂ فرقان کے اندر دیا ہے۔

صحیح مسلم میں شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے حدیث مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ہر چیز پر احسان فرض کر دیا ہے، جب تم قتل کرو تو احسان کے ساتھ قتل کرو، اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو، اور چھری خوب تیز کر لینی چاہئے اور ذبیحہ کو آرام پہونچانا چاہئے۔''

آیت ﴿ان اللہ یحب المحسنین﴾ میں احسان اور بھلائی کرنے کے حکم کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ احسان اور بھلائی کا رویہ اپنانا اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا سبب ہے تو اس حکم کے بجالانے میں پہل کرو اور آگے بڑھو۔

دوسری آیت کریمہ ﴿وأقسطوا﴾ میں اقساط کا حکم ہے اور اقساط کہتے ہیں عدل کو، آیت کا مقصود یہ ہے کہ مومنوں کی اگر دو جماعت لڑ پڑے تو ان کے مابین عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائے۔ ''اقسطوا'' کا لفظ ''قسط'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے جور وظلم لیکن اسے باب افعال میں لاکر سلب مأخذ کیا گیا ہے یعنی اس لفظ کو باب افعال میں لانے سے معنی بالکل برعکس ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ایک ''المقسط'' بھی ہے یعنی ''عدل وانصاف والا''۔آیت کریمہ میں عدل وانصاف کی فضیلت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اسے عملاً انجام دینے پر ابھارا گیا ہے۔اور اس بات کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ ہے۔

آگے آیت کریمہ ﴿فما استقاموا لکم فاستقیموا لھم﴾ کا معنی یہ ہے کہ تمہارے اور کسی دوسرے فریق کے مابین اگر کوئی عہد وپیمان ہو جائے جیسا کہ تم لوگوں

Www.IslamicBooks.Website

نے ان کے ساتھ مسجد حرام کے پاس عہد کیا ہے، تو تم ان کے ساتھ کئے ہوئے عہد پر اس وقت تک ثابت قدم اور باقی رہو جب تک کہ یہ لوگ تمہارے ساتھ کئے گئے عہد پر باقی رہیں۔ یہاں آیت میں ما مصدر یہ ظرفیہ ہے پھر اس حکم کی وجہ بھی بیان فرمائی، فرمایا:

﴿ان اللہ یحب المتقین﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہر معاملے میں اللہ سے ڈرتے ہیں اور انہیں میں سے ایک عہد و پیمان کو نہ توڑنا بھی ہے۔

آگے کی آیت کریمہ ﴿ ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین﴾ میں اس بات کی صراحت کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ دو قسم کے اوصاف رکھنے والے بندوں سے محبت کرتا ہے۔

پہلی قسم کے لوگ ہیں توابین یعنی وہ لوگ جو بکثرت توبہ کرتے اور افسوسناک امور کے سرزد ہو جانے کے وقت استغفار کر کے اللہ کی طرف کثرت سے رجوع کرتے ہیں، اس طرح وہ کثرت توبہ سے گناہ ومعاصی جیسی تمام معنوی نجاستوں اور گندگیوں سے پاک وصاف ہو جاتے ہیں "تواب" چونکہ مبالغہ کا صیغہ ہے اس لئے یہاں کثرت کا معنی مراد ہوگا۔

دوسری قسم کے لوگ ہیں متطھرین . یعنی جو پاکی اور صفائی میں مبالغے سے کام لیتے ہیں اور جو وضوء یا غسل کر کے حدث اور حسی نجاستوں سے نظافت و پاکی حاصل کرنے والے ہیں۔

متطھرین کے مفہوم کے سلسلے میں ایک رائے یہ بھی ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو اپنی عورتوں سے بحالت حیض یا ان کی دبر میں جماع کرنے سے اجتناب کرتے ہیں۔ لیکن پہلا عمومی مفہوم مراد لینا ہی زیادہ بہتر ہے۔

آیت کریمہ ﴿قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ﴾ کے سبب نزول کے سلسلے میں حسن سے ایک روایت منقول ہے کہ کچھ لوگوں نے دعویٰ کیا کہ وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو جانچنے اور پرکھنے کے لئے یہ آیت نازل

Www.IslamicBooks.Website

فرمائی۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کے حصول کے لئے اپنے رسول ﷺ کی اتباع کو شرط قرار دیا، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی محبت وہی شخص حاصل کرسکتا ہے جو اچھی طرح اتباع اور پیروی کرے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو مضبوطی سے تھام لے۔

آیت کریمہ ﴿وهو الغفور الودود﴾ میں اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنی میں سے اس کے دو اسماء کا ثبوت ملتا ہے ان میں سے ایک ہے "الغفور" اور دوسرا ہے "الودود" ان میں سے پہلا تو "الغفر" کا مبالغہ ہے، معنی ہے اپنے بندوں کی گناہوں کو بہت زیادہ چھپانے والا، اور ان کا مواخذہ کرنے کے بجائے بہت زیادہ درگزر کرنے والا۔ غفر کا اصل معنی ستر ہے یعنی چھپانا۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے " الصبغ أغفر للوسخ" یعنی زنگ میل کچیل کو چھپا دیتا ہے۔ اور اسی طرح سر پوش یعنی خود کو مغفر کہا جاتا ہے۔

دوسرا اسم "الودود" لفظ "الود" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی سچی اور خالص محبت کے ہیں۔ یہ اسم یا تو بروزن مفعول بمعنی فاعل کے قبیل سے ہے یا فعول بمعنی مفعول کے قبیل سے، پہلی صورت میں اسکا معنی ہوگا اپنے متبعین سے بہت زیادہ محبت کرنے والا اور ان کی نصرت و مدد کرنے میں ان کے قریب رہنے والا۔ دوسری صورت میں اس کا معنی ہوگا اپنے اوپر لازم کردہ کثیر احسانات کے نتیجے میں سب سے زیادہ محبوب، کیونکہ اس کی مخلوق اس سے محبت کرتی ہے اور اس محبت کے نتیجے میں اسکی عبادت بھی کرتی ہے اور اس کی حمد وثنا بھی۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

وقوله:

﴿بسم الله الرحمٰن الرحيم﴾

﴿ربنا وسعت كل شئ رحمة وعلماً﴾ (غافر : ۷)

﴿وكان بالمؤمنين رحيماً﴾

﴿ورحمتي وسعت كل شئ﴾ (الاعراف : ۱۵۶)

﴿كتب ربكم على نفسه الرحمة﴾ (الانعام : ۱۳)

﴿وهو الغفور الرحيم﴾

﴿فالله خير حافظاً وهو أرحم الراحمين﴾ (يوسف: ۶۴)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے دو اسم الرحمٰن اور الرحیم کے تذکرے کے ساتھ ساتھ اس کی دو صفات صفت رحمت اور صفت علم کا بھی ذکر ہے، بسم اللہ کی تفسیر کے ضمن میں ان دو اسموں کے تعلق سے گفتگو گزر چکی ہے نیز وہیں پر ان دونوں کے مابین فرق کو واضح کرتے ہوئے اس بات کی بھی صراحت کر دی گئی ہے کہ اسم اول یعنی الرحمٰن سے ذاتی صفات اور اسم ثانی یعنی الرحیم سے فعلی صفات کا پتہ چلتا ہے۔

اشاعرہ اور معتزلہ نے محض اس دعوے کی بنیاد پر صفت رحمت کا انکار کر دیا ہے کہ یہ مخلوق کو لاحق ہونے والی ایک کمزوری وضعف ہے، نیز یہ مرحوم کے حق میں رقت قلبی کے ساتھ درد کے احساس کا نام ہے۔ لیکن ایسا خیال رکھنا نری جہالت اور کم علمی ہے کیونکہ قوی اور طاقتور لوگ ہی کمزوروں کے لئے رحمت کا معاملہ کرتے ہیں اس میں کسی قسم کی ضعف یا کمزوری تو لازم نہیں آتی بلکہ یہ رحمت تو انتہائی غلبے اور قدرت کے سبب ہوتی ہے، کیونکہ قوی انسان اپنی کمسن اولاد اور اپنے بزرگ والدین اور اپنے سے کمزور

Www.IslamicBooks.Website

اورضعیف لوگوں پر رحم کرتا ہے۔ کہاں ضعف اور کمزوری جو کہ نہایت ہی قابل مذمت صفات ہیں، اور کہاں وہ صفت رحمت جس سے اللہ تعالیٰ نے خود کو متصف تو کیا ہی ہے ساتھ ہی اس صفت سے متصف اپنے اولیاء کی تعریف بھی کی ہے، اور لوگوں کو ایک دوسرے کو اس صفت کے اختیار کرنے کی تلقین کرنے کی ہدایت بھی دی ہے۔

"ربنا وسعت کل شیٔ رحمةً وعلما" اللہ کا کلام ہے جس میں حاملین عرش اور عرش کے آس پاس کے ان فرشتوں کی حکایت بیان ہوئی ہے جو کہ مومنوں کے لئے اللہ سے دعا کرتے ہیں اور اپنی اس دعا میں اس کی ربوبیت، اس کے علم کی وسعت اور اس کی رحمت کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں، اور دعا کی قبولیت کی امید کے لئے اگر سب سے بہتر کوئی وسیلہ اور ذریعہ ہوسکتا ہے تو یہی ہے۔

آیت میں "رحمةً وعلماً" تمیز کی بنیاد پر منصوب ہے اور یہ تمیز بھی فاعل کی تاویل میں ہے، جس کی تقدیر یہ ہے:

"وسعت رحمتک وعلمک علی کل شیٔ".

اس کا معنی ہے "تیری رحمت اور تیرا علم ہر شیٔ کو گھیرے ہوئے ہے۔"

چنانچہ اس کی رحمت دنیا میں تو کافر اور نیک وبد سب کے لئے عام ہے لیکن قیامت کے روز صرف متقیوں کے لئے خاص ہوگی۔ جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿فسأکتبها للذین یتقون ویوتون الزکوٰة﴾ "ہم ان لوگوں کے لئے لکھ دیں گے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔" (الاعراف:۱۵۶)

اور ایک دوسری جگہ ہے:

"کتب ربکم علیٰ نفسہٖ الرحمة"

اس کا مطلب ہے کہ اس نے بطور فضل واحسان کے اسے اپنے اوپر خود ہی واجب کرلیا ہے، کسی اور نے اس پر واجب نہیں کیا ہے۔ (الانعام:۵۴)

بخاری ومسلم میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے:

Www.IslamicBooks.Website

" ان الله لما خلق الخلق كتب كتابا فهو عنده فوق العرش ان رحمتي سبقت أو تسبق غضبي".

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی تخلیق فرمائی تو ایک کتاب لکھی، چنانچہ وہ کتاب اسی کے پاس عرش کے اوپر ہے جس میں لکھا ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی۔

آگے کی آیت ﴿فالله خير حافظاً وهو أرحم الراحمين﴾ میں حافظ "حفظ" سے مشتق ہے، اسی کے ہم معنی ایک اسم حفیظ بھی ہے۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کی ہر طریقے سے حفاظت کرتا ہے، چنانچہ ان کی غذائی اشیاء کی فراوانی کا سامان کرتا ہے انہیں ہلاکت ونقصان کے اسباب سے بچاتا ہے اسی طرح ان کے اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور ان کے اقوال کو بھی شمار کرتا ہے اور خاص طور سے اپنے قریبی بندوں کی تو خصوصی رعایت کرتا ہے چنانچہ وہ انہیں گناہ ومعاصی میں ملوث ہونے سے بچاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ شیطان کے مکر وفریب نیز دین اور دنیا دونوں کے لئے باعث ضرر ہر قسم کی باتوں سے انہیں محفوظ رکھتا ہے۔

حافظاً: خیر اسم تفضیل کی تمیز ہونے کی بنا پر منصوب ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت رضا وغضب

قوله:

﴿رضی الله عنهم ورضوا عنه﴾

﴿ومن یقتل مؤمنا متعمداً فجزاء ہ جهنم خالداً فیها وغضب الله علیه ولعنه﴾ (النساء : ٩٣)

وقوله: ﴿ذلک بأنهم اتبعوا ماأسخط الله وکرهو رضوانه﴾ (محمد:٢٨)

﴿فلما آسفونا انتقمنا منهم﴾ (الزخرف :٥٥)

وقوله: ﴿ولکن کره الله انبعاثهم فثبتهم﴾ (التوبة : ٤٦)

وقوله: ﴿کبر مقتاً عندالله أن تقولوا مالا تفعلون﴾ (الصف : ٣)

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی چند فعلی صفات مثلاً:

رضا، غضب، لعن وکراہیت، سخط وناپسندیدگی اور اَسف کا اثبات ہو رہا ہے۔

اہل حق کے نزدیک یہ تمام تر صفتیں اس کی حقیقی صفات ہیں جو اس کے شایان شان ہیں، ان میں سے کوئی بھی صفت مخلوق کی صفات کے مشابہ نہیں ہے۔ اور ان تمام صفات کے تسلیم کرنے سے اس کی ذات کے اندر وہ تمام چیزیں لازم نہیں آتیں جو مخلوقات کے لئے لازم ہیں، معتزلہ اور اشاعرہ کے پاس ان صفات کا انکار کرنے کے لئے بجز اس گمان اور خیال کے کوئی پختہ دلیل نہیں کہ ان صفات سے اللہ تعالیٰ کو متصف قرار دینے کی صورت میں اس کی ذات کے اندر وہ چیزیں صادق آتی ہیں جو مخلوقات کے اندر ہیں۔ اپنے رب کے بارے میں ان کے اس خیال نے انہیں ہلاک و برباد کر کے ان کو نفی اور تعطیل کے گڈھے میں لا گرایا ہے۔ اشاعرہ تو ان صفات کو حقیقی صفت تسلیم نہ کر کے صفت ارادہ کے مختلف پہلو تصور کرتے ہیں چنانچہ ان کے نزدیک رضا وخوشنودی سے ثواب کا ارادہ اور غضب وسخط وغیرہ سے عقاب کا ارادہ مراد ہے، اور معتزلی حضرات

Www.IslamicBooks.Website

تو ان سے ایک قدم اور آگے ہیں یہ لوگ ان صفات سے مطلق ثواب وعقاب مراد لیتے ہیں۔

آیت کریمہ ﴿رضی اللہ عنھم و رضوا عنه﴾ میں اللہ اور اس کے بندوں کے مابین رضا ومحبت کے ہونے والے تبادلے کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جہاں تک اللہ کی رضامندی کی بات ہے تو یہ بندوں کیلئے ان کو عطا کی گئی تمام نعمتوں سے بڑھ کر اور عظیم تر ہے جیسا کہ قرآن میں ہے ﴿ ورضوان من الله اکبر﴾ ''اور اللہ کی جانب سے حاصل شدہ رضامندی ہی سب سے بڑی شئی ہے'' اور جہاں تک اللہ تعالیٰ سے ان کی رضامندی کا تعلق ہے تو وہ ہے ان میں سے ہر ایک کا اپنے مقام ومرتبے سے راضی ہو جانا اور اپنے اس مرتبے اور پوزیشن سے اس طرح شاداں اور فرحاں ہو جانا گویا کہ اس سے بڑھ کر کسی کو نعمت ہی حاصل نہیں ہوئی۔ اور یہ کیفیت جنت میں حاصل ہوگی۔

آیت﴿ ومن یقتل مؤمناً متعمداً﴾ میں اللہ تعالیٰ نے ''مؤمناً'' اور متعمداً کہہ کر اس بات کا اشارہ کیا ہے کہ مذکورہ سزا اس شخص کے لئے ہے جو جان بوجھ کر کسی مومن کو قتل کرے۔ (ایک شخص کو معصوم وبے گناہ سمجھتے ہوئے بھی ایسی چیز سے قتل کر دیا جائے جس سے عمومی طور پر موت واقع ہو جاتی ہو) اس سے قتل کافر اور قتل خطاء کا استثناء ہو جاتا ہے۔

﴿خالداً فیھا﴾ کا معنی ہے ''دوامی حیثیت سے قیام کرے گا''۔ خلود کا ایک معنی مکث طویل بھی بتایا گیا ہے۔ لعن کا مطلب ہے اللہ کی رحمت سے دوری یا برطرفی۔ لعین یا ملعون اس شخص کو کہا جاتا ہے جس پر لعنت متحقق ہو چکی ہو، یا وہ شخص پر لعنت کی گئی ہو۔

ان جیسی آیات سے یہ اشکال پیش آتا ہے کہ قاتل عمد کے لئے توبہ نہیں وہ مخلد فی النار ہے۔ جب کہ یہ موقف اس آیت کا معارض ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ان اللہ لا یغفر أن یشرک به ویغفر مادون ذلک لمن یشاء''

اللہ اس گناہ کو نہیں بخشے گا کہ کسی کو اس کا شریک بنایا جائے اور اس کے سوا

Www.IslamicBooks.Website

اور گناہ جس کو چاہے معاف کر دے۔ (النساء:۴۸)

علماء نے اس اشکال کے متعدد جواب دیئے ہیں جن میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۱......یہ اس شخص کی سزا ہے جو عمداً قتل مومن کو حلال سمجھتا ہو۔

۲......عمداً کسی مومن کے قاتل کی سزا تو یہی ہے، اگر اس کو بدلہ دیا جاتا لیکن اس بات کا بھی امکان ہے کہ اسے یہ سزا نہ ملے اس طرح کہ وہ توبہ کر لے یا کوئی ایسا نیک عمل کر لے جو اس کے برے عمل پر حاوی ہو جائے۔

۳......بطور زجر اور توبیخ کے ایسا حکم وارد ہوا ہے۔

۴......خلود فی النار سے مراد مکث طویل ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ اور ایک گروہ کا موقف یہ ہے کہ عمداً قتل کرنے والے کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ تو اس سلسلے میں یہاں تک فرما دیا کہ باعتبار نزول یہ آخری آیت ہے جو منسوخ نہیں ہے۔

اس سلسلے میں اقرب الی الصواب نقطۂ نظر یہ ہے کہ قاتل پر تین قسم کے حقوق واجب ہوتے ہیں:

(۱) ایک حق اللہ کا (۲) دوسرا مقتول کے ورثاء کا (۳) تیسرا حق مقتول کا

چنانچہ ان میں سے اللہ کا حق توبہ کے ذریعے ساقط ہو جاتا ہے۔ اور ورثاء کا حق دنیا میں ادا کر کے یا معافی کے ذریعے ساقط ہو جاتا ہے لیکن مقتول کا حق ساقط نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ اپنے قاتل کے ساتھ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کا سر قاتل کے ہاتھ میں ہوگا اور کہے گا "اے رب! اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟"

آگے کی آیت ﴿فلما آسفونا انتقمنا منهم﴾ میں لفظ "أسف" شدت حزن اور شدت غضب وسخط کے معنی میں مستعمل ہے۔ اور آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔ انتقام کا مطلب ہے سزا کے ذریعے بدلہ دینا۔ یہ لفظ "نقمةٌ" سے مشتق ہے۔ شدید درجے کی کراہت اور ناراضگی و ناگواری کو نقمت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت مجیٔ کا اثبات اور منکرین کا رد

وقولـه: ﴿هل ينظرون الا أن يأتيهم الله فى ظلل من الغمام والملائكة وقضى الأمر﴾ (البقرة : ٢١٠)

﴿هل ينظرون الا أن تأتيهم الملائكة أو يأتى ربك أو يأتى بعض آيات ربك﴾ (الانعام : ١٥٨)

﴿كلا اذا دكت الأرض دكاً دكاً وجاء ربك والملك صفاً صفاً﴾ (الفجر : ٢١)

﴿يوم تشقق السماء بالغمام ونزل الملائكة تنزيلا﴾ (الفرقان: ٢٥)

ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی دو فعلی صفات الاتیان والمجیٔ کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں اہل سنت کا جو موقف ہے وہ یہی ہے کہ ان دونوں صفات کی حقیقت پر کماحقہٗ ایمان رکھا جائے اور اس کی ہر قسم کی تاویل سے دوری اختیار کی جائے جو کہ درحقیقت الحاد اور تعطیل ہے۔

یہاں پر عصر حاضر میں تجہم و تعطیل کے علمبردار زاہد الکوثری کی تحریر قاری کے سامنے پیش کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے، وہ بیہقی کی کتاب ''الاسماء والصفات'' کے حاشیے میں لکھتا ہے:

''اس کے معنی کے سلسلے میں امام زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان بادل کے سائبانوں میں عذاب لائے گا جن سے صرف رحمت کی امید کی جاتی ہے چنانچہ عذاب کا وہاں سے آنا جہاں سے رحمت کی امید کی جاتی ہو حد درجہ ہولناک اور وحشت ناک ہوگا'' ....

امام الحرمین باکے سلسلے میں یہی موقف رکھتے ہیں، البتہ الفخر الرازی کہتے ہیں:

أن ياتهم الله کا مطلب ہے أن يأتيهم أمر الله..........

اس شخص کے اس اقتباس سے جسے اس نے اپنے اسلاف سے نقل کیا ہے تاویل وتعطیل کرنے میں ان کا انتہائی درجے کا تذبذب واضطراب بخوبی واضح ہوجاتا ہے۔ جب کہ اس باب میں آیات بہت ہی واضح ہیں جوان تاویلات کوقبول نہیں کرتیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں اپنے کفر وعناد پر اٹل رہنے والوں اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کو یہ دھمکی دی جارہی ہے کہ وہ لوگ اس بات کا انتظار کررہے ہیں کہ اللہ ان کے مابین فیصلہ کرنے کے لئے بادلوں کے سائبان میں ان کے پاس آئے اور ایسا توقیامت کے دن ہی ہوسکتا ہے۔ اسی لئے اس کے بعد "وقضی الأمر" کہا۔ یعنی معاملے کافیصلہ کردیا جائے۔

دوسری آیت میں اس سے زیادہ صراحت ہے، اس آیت میں اتیان یعنی اللہ تعالیٰ کے آمد کی تاویل اتیان اُمر یا اتیان عذاب سے ہوہی نہیں سکتی کیونکہ اس آیت میں اللہ کی آمد کے ساتھ ساتھ اس کے فرشتوں اور اس کی نشانیوں کی آمد کا بھی تذکرہ ہے۔

اور اس کے بعد والی آیت ﴿وجاء ربک والملک صفاً صفاً﴾ کو بھی عذاب پر محمول کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ یہاں قیامت کے دن بغرض حساب وکتاب اس کی آمد مراد ہے۔ اور ملائکہ وہاں پر اس کی تعظیم اور جلالت شان کے لئے صف بستہ ہوں گے، اور اس وقت اس کی آمد کے وقت آسمان بدلی کے ساتھ پھٹ جائے گا جیسا کہ آخری آیت صراحت کررہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے صفت مجیٔ واتیان بھی ثابت ہے نیز وہ نازل بھی ہوتا ہے اور قریب بھی۔ اس حال میں کہ وہ اپنے عرش کے اوپر تمام مخلوق سے جدا اور الگ ہے۔ یہ تمام افعال اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی طور پر ثابت ہیں اس سلسلے میں مجازی معنی کا دعوی کرنا اس کے افعال میں تعطیل کے مترادف ہے۔ اور اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ رب العزت کی آمد مخلوق کی آمد کے مثل ہے سراسر تعطیل اور انکار ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اثبات صفت وجہ اور منکرین کا رد

وقوله:

﴿ويبقىٰ وجه ربک ذو الجلال والاکرام﴾ (الرحمٰن : ٢٧)

﴿کل شئ هالک الا وجهه﴾ (القصص : ٨٨)

یہ دونوں آیات اللہ تعالیٰ کے لئے صفت وجہ کے اثبات پر مشتمل ہیں اور اس کے لئے صفت وجہ کے اثبات کے سلسلے میں کتاب وسنت میں بے شمار نصوص وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ تمام نصوص ''معطلہ'' کے تاویلات کی نفی کرتے ہیں جو کہ ''وجہ'' سے جہت ،ثواب یا ذات مراد لیتے ہیں، اس سلسلے میں اہل حق کا یہ موقف ہے کہ ''وجہ'' اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے علاوہ ہے اس کے لئے صفت وجہ تسلیم کرنے سے اس کا اعضاء سے مرکب ہونا ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ مجسمہ سمجھتے ہیں بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ایک صفت ہے جو نہ کسی اور کے چہرے کے مماثل ہے اور نہ کوئی چہرہ ہی اس کے مشابہ ہے۔

''معطلہ'' ان دونوں آیتوں سے یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس میں ''وجہ'' سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے کیونکہ بقا وعدم ہلاکت میں وجہ یعنی چہرے کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ لیکن ہم اس استدلال کے خلاف ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کے لئے حقیقی وجہ ثابت نہ ہوتا تو ذات کے معنی میں بھی اس لفظ کا استعمال درست نہ ہوتا کیونکہ کسی مفہوم کے لئے وضع شدہ لفظ اس وقت تک کسی دوسرے معنی میں استعمال نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کا حقیقی معنی ثابت نہ ہو جب حقیقی معنی میں استعمال ثابت ہوگا تب کسی قرینے کے سبب دوسرے مجازی معنی کی طرف ذہن منتقل ہوسکتا ہے۔

ان کے مجازی معنی کا رد ایک دوسرے طریقے سے بھی ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

Www.IslamicBooks.Website

بقا کو اپنے وجہ یعنی چہرے کی طرف منسوب کر کے اپنی پوری ذات کو شامل کرلیا ہے۔ اس لئے یہ کہنا درست نہیں کہ آیت میں چہرہ بول کر ذات مراد لی گئی ہے۔ بیہقی نے خطابی سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وجہ کی اضافت اپنی ذات کی طرف کرتے ہوئے وجہ کی صفت بیان کی اور فرمایا ﴿ویبقی وجہ ربک ذو الجلال والاکرام﴾ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وجہ سے مراد ذات نہیں "ذو الجلال" وجہ کی صفت ہے اور وجہ ذات باری تعالیٰ کی صفت۔

"حدیث طائف" میں مذکور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول کی تفسیر و تاویل ذات وغیرہ سے کیسے کی جاسکتی ہے:

"أعوذ بنور وجھک الذی اشرقت له الظلمات......" یعنی تیرے چہرے کے اس نور کی پناہ میں آتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوتی ہیں۔......

نیز ابوموسی الأشعری کی روایت کردہ حدیث میں آپ کے اس قول میں:

"حجابه النور أو النار لو کشفه لأحرقت سبحات وجھه ما انتھی الیه بصره من خلقه"

Www.IslamicBooks.Website

اثبات صفت ید

وقوله:

﴿مامنعک أن تسجد لما خلقت بیدی﴾ (ص : ۷۵)

﴿وقالت الیهود یدالله مغلولة غلت أیدیهم ولعنوا بما قالوا. بل یداه مبسوطتان ینفق کیف یشاء﴾ (المائدة : ۶۴)

یہ دونوں آیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی شان کے مطابق اس کی ایک حقیقی صفت "یدین" یعنی دونوں ہاتھوں کے اثبات پر مشتمل ہے، پہلی آیت میں اللہ رب العزت اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کے سبب ابلیس کی توبیخ کر رہا ہے۔ یہاں پر "ید" کو قدرت پر محمول کرنا ممکن ہی نہیں کیونکہ تمام اشیاء یہاں تک کہ ابلیس کو بھی اس نے اپنی قدرت سے ہی پیدا کیا ہے اس صورت میں آدم علیہ السلام کی کوئی خصوصیت ہی باقی نہیں رہ جاتی جس کے سبب وہ تمام مخلوق سے ممتاز ہو سکیں۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ اللہ نے تین اشیاء کو اپنے ہاتھوں سے پیدا کیا۔

(۱) آدم کی تخلیق اپنے ہاتھ سے کی۔ (۲) توریت اپنے ہاتھ سے لکھی۔ (۳) جنت عدن کو اپنے ہاتھوں سے لگایا۔

تمام مخلوقات کا وجود اللہ رب العزت کی قدرت کاملہ کا مظہر تو ہے ہی لیکن ان تین اشیاء کو اس حیثیت سے ذکر کرنا کہ اللہ نے اسے اپنے ہاتھوں پیدا کیا ایک خاص اور زائد معنی کی وضاحت کرتا ہے۔ ایک اور بات یہ کہ "یدین" کا لفظ بصیغۂ تثنیہ ید حقیقی کے

Www.IslamicBooks.Website

لئے ہی معروف ومشہور ہے قدرت یا نعمت کے معنی میں مستعمل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ یہ نہیں کہا جا سکتا "خلقه الله بقدرتين أو بنعمتين" کہ اللہ نے اسے دو قدرتوں یا دو نعمتوں سے پیدا کیا۔ البتہ "يدين" کے لفظ کا اطلاق قدرت، نعمت یا اس کے علاوہ کسی اور معنی پر اسی کے لئے ممکن اور درست ہو سکتا ہے جو "يدين" کی صفت سے حقیقی طور پر متصف ہو، اسی لئے "پانی" یا "ہوا" کے لئے يد یعنی ہاتھ ثابت نہیں کیا جاتا۔

مجازی معنی ثابت کرنے کے سلسلے میں رہی معتزلہ کی یہ دلیل کہ بعض آیات میں يد کا لفظ واحد تو بعض میں جمع بھی مستعمل ہے تو یہ کوئی قوی دلیل نہیں ہے کیونکہ کبھی کبھی دو کے لئے موضوع لفظ بول کر ایک مراد لیا جاتا ہے جیسے: "رأيت بعينيَّ وسمعت بأذنيَّ" کہ میں نے اپنی دو آنکھوں سے دیکھا اور دو کان سے سنا۔ اس سے مراد یہ ہوتا ہے کہ میں نے اپنی آنکھ سے دیکھا اور کان سے سنا۔ اسی طرح جمع کا صیغہ بول کر کبھی کبھی تثنیہ بھی مراد لیا جاتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ان تتوبا الى الله فقد صغت قلوبكما﴾

"اگر تم دونوں اللہ کے سامنے توبہ کرلوگی (تو بہتر ہوگا) اس لئے کہ تمہارے دل (حق سے) مائل ہو گئے ہیں"۔ (التحریم:۴)

یہاں مراد ہے "قلباكما"......

اللہ رب العزت کے لئے کف (ہتھیلی) أصابع (انگلیاں) یمین (دایاں) شمال (بایاں) قبض (پکڑنا) بسط (پھیلانا) وغیرہ جیسی صفات ثابت ہیں جن کا اطلاق صرف اور صرف حقیقی ہاتھ پر ہی ہو سکتا ہے اس کے ہوتے ہوئے "يد" کو نعمت یا قدرت کے معنی میں کیسے لیا جا سکتا ہے؟۔

دوسری آیت میں اللہ رب العزت نے یہود کی اپنے رب کے سلسلے میں کی جانے والی گفتگو کو نقل کیا ہے انہوں نے اس کی توصیف یوں بیان کی "يد الله مغلولة" یعنی اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے یعنی خرچ کرنے سے رُکا ہوا ہے۔ پھر ان کے قول کے معاً بعد اس کے بر

Www.IslamicBooks.Website

خلاف اپنی صفت ثابت کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ عنایت ونوازش کے لئے کھلے ہوئے ہیں جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے۔ یہی بات حدیث میں بھی مذکور ہے:

"ان يمين الله ملأى سحاء الليل والنهار لا تغيضها نفقة" (متفق علیہ)

"اللہ کا داہنا ہاتھ بھرا ہوا ہے دن ورات مسلسل نوازش فرمانے کے باوجود بھی اس میں کوئی کمی نہیں آتی"

قابل غور بات ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے حقیقی طور پر دو ہاتھ نہ ہوتے تو کیا "بسط اليدين" کی یہ تعبیر درست ہوسکتی تھی۔؟

صحیح بات یہ ہے کہ ان تمام دلائل کے سبب تاویل کرنے والوں کے پاس کوئی جواب ہی نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اثبات صفت عین

وقوله:

﴿فاصبر لحکم ربک فانک بأعیننا﴾ (الطور: ۴۸)

﴿وحملناه علی ذات ألواح ودسر. تجری بأعیننا جزاء لمن کان کفر﴾ (القمر: ۱۳. ۱۴)

﴿وألقیت علیک محبة منی ولتصنع علی عینی﴾ (طٰہٰ: ۳۹)

ان تینوں آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ایسی آنکھ ثابت کیا ہے جس کے ذریعے وہ تمام مرئیات کو دیکھتا ہے اور یہ اس کی حقیقی صفت ہے جو اس کے شایان شان ہے اس صفت کے ثابت کرنے اور اسے تسلیم کرنے سے اس کی ذات کے لئے گوشت پوست سے مرکب انسانی اعضاء لازم نہیں آتے۔

معطلہ کی یہ تفسیر کہ عین سے مراد رویت، حفاظت یا رعایت ونگہداشت ہے، صفات کا سراسر انکار اور تعطیل ہے۔ اب رہی یہ بات کہ بعض نصوص میں لفظ عین واحد تو بعض میں جمع بھی مستعمل ہے تو اس میں اس صفت کی نفی کی ان کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں ہے۔ کیونکہ لغت عرب میں اس کی گنجائش موجود ہے کہ جمع بول کر تثنیہ یا تثنیہ بول کر واحد مراد لیا جائے۔ اسکی صراحت ''الیدین'' کی بحث میں گزر چکی ہے۔

لفظ عین کو ان کے بیان کردہ معنوں میں سے کسی معنی میں استعمال کرنا ممکن ہی نہیں ہے ہاں اگر ممکن ہوسکتا ہے تو صرف اس کے حق میں جو صفت عین سے حقیقی طور پر متصف ہو، تو کیا معطلہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسی صفت پر فخر کر رہا ہے جو اس کے اندر ہے ہی نہیں چنانچہ اپنے لئے آنکھ تو ثابت کرتا ہے مگر اس سے محروم ہے، کیا وہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رؤیت کسی خاص صفت یا خاص ذریعہ سے نہیں ہے بلکہ

Www.IslamicBooks.Website

تمام اشیاء کواپنی ذات ہی سے دیکھتا ہے جیسا کہ معتزلی حضرات کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات ہی سے قادر ہے اوراپنی ذات ہی سے ارادہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

پہلی آیت کریمہ ﴿فاصبر لحكم ربك فانك بأعيننا﴾ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حکم اور قوم کی جانب سے پہونچنے والی اذیتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ اوراس کی وجہ یہ بتلائی کہ وہ اس کی آنکھوں کے سامنے اوراس کے حفظ وامان میں ہیں۔

دوسری آیت ﴿وحملناه على ذات الواح ودسر. تجري بأعيننا جزاءً لمن كان كفر﴾ میں اللہ تعالیٰ نوح علیہ السلام کے بارے میں خبر دے رہا ہے کہ جب ان کی قوم نے انہیں جھٹلادیا اور اللہ تعالیٰ نے بطور عذاب ان لوگوں کو طوفان میں مبتلا کردیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اور ان پر ایمان لانے والوں کو میخ اور لکڑی کے تختوں سے بنی کشتی پر سوار کردیا۔ اور یہ کشتی اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں اس کی آنکھوں کے سامنے تیر رہی تھی۔

تیسری آیت میں اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو خطاب کیا گیا ہے۔ اور اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ نے اپنی جانب سے ان پر اپنی محبت ڈال دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس نے انہیں اپنا محبوب بنالیا اور اپنی آنکھوں کے سامنے ان کی ایسی پرورش وپرداخت کی کہ جس کے سبب موسیٰ فرعون اور اس کی قوم کی جانب رسالت کے فرائض انجام دینے کے قابل ہوگئے۔

Www.IslamicBooks.Website

اثبات صفت سمع وبصر

وقوله: ﴿ قدسمع الله قول التی تجادلک فی زوجها وتشتکی الی الله والله یسمع تحاورکما ان الله سمیع بصیر﴾ (المجادلة : ١)

وقوله: ﴿ لقد سمع الله قول الذین قالوا ان الله فقیر ونحن أغنیاء﴾ (آل عمران : ١٨١)

وقوله: ﴿ أم یحسبون انا لانسمع سرهم ونجواهم بلیٰ ورسلنا لدیهم یکتبون﴾ (الزخرف : ٨٠)

﴿اننی معکما أسمع وأریٰ﴾ (طٰهٰ :)

﴿ألم یعلم بأن الله یریٰ﴾ (العلق : ١٤)

﴿الذی یراک حین تقوم . وتقلبک فی الساجدین.انه هو السمیع البصیر﴾ (الشعراء : ٢١٩. ٢٢٠)

﴿وقل اعملوا فسیری الله عملکم ورسوله والمؤمنون﴾(التوبة :١٠٥)

یہ تمام آیات مؤلفؒ نے صفات سمع وبصر اوررویت کے اثبات کے ضمن میں ذکر کی ہیں،آیتوں میں صفت سمع کا تذکرہ اس کے تمام مشتقات مثلاً سَمِعَ یَسْمَعُ نَسْمَعُ اور أسْمَعُ وغیرہ کے ساتھ ملتا ہے۔یہ اللہ تعالیٰ کی حقیقی صفت ہے جس کے ذریعے تمام اُصوات کا ادراک کرتا ہے۔اسی طرح بصر اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے جس سے تمام اشخاص والوان کا ادراک کرتا ہے اوررویت اس کی صفت لازمہ ہے۔ابوموسیٰ اشعری کی حدیث میں ہے: ”اے لوگو! ہوشیار رہو،تم کسی بہرے یاغائب کونہیں پکار رہے بلکہ بہت زیادہ سننے اورخوب دیکھنے والے کو پکاررہے ہو،جس ذات کوتم پکاررہے ہو،وہ تم سے تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔“

Www.IslamicBooks.Website

سمع وبصر یعنی سننا اور دیکھنا کمالی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی مذمت کی ہے اور یہ اس لئے کہ وہ ایسی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جس میں نہ سننے کی صلاحیت ہے اور نہ دیکھنے کی۔

پہلی آیت خولہ بنت ثعلبہ کے بارے میں نازل ہوئی، جب ان کے شوہر نے ان سے ظہار کرلیا تو وہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لےکر آئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں گفتگو کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''میں یہی سمجھتا ہوں کہ تم ان پر حرام ہو چکی ہو۔''

صحیح بخاری میں عروہ سے ایک روایت منقول ہے وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا:

''تمام تعریف اس اللہ کے لئے ہے جس کی سماعت تمام اصوات کا ادراک کرلیتی ہے۔ جھگڑنے والی عورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لےکر آئی تو میں اس وقت گھر کے ایک گوشے میں تھی اور عورت کی گفتگو نہیں سن پا رہی تھی۔ اور پھر اللہ نے یہ آیت نازل فرمادی۔''

دوسری آیت نحاص یہودی کے بارے میں نازل ہوئی۔ جب ابوبکر رضی اللہ نے اسے اسلام کی طرف بلایا تو اس نے کہا تھا:

''واللہ اے ابوبکر! ہمیں اللہ کی کوئی حاجت نہیں ہے کیونکہ وہ تو خود ہمارا محتاج ہے اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض نہیں مانگتا۔''

تیسری آیت ﴿ **أم یحسبون انا لانسمع سرھم ونجواھم بلیٰ ورسلنا لدیھم یکتبون** ﴾ میں ''اَم'' ''بل'' اور ''ہمزۂ استفہامیہ کے معنی میں ہے۔ اَم منقطعہ ہے اور استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے۔

آیت کا معنی یہ ہے کہ ''بلکہ کیا یہ لوگ اپنی مخفی اور راز کی باتوں کے سلسلے میں یہ خیال کر بیٹھے ہیں کہ ہم ان کے بھید اور سرگوشیوں کو سن نہیں رہے ہیں، کیوں نہیں ہم تو

Www.IslamicBooks.Website

انہیں بخوبی سنتے ہیں اوران کے پاس ہمارے ایسے نگہبان ہیں جوان کی کہی ہوئی باتوں اوران کے افعال کولکھ لیتے ہیں۔“

چوتھی آیت کریمہ میں اللہ کی جانب سے موسیٰ وہارون علیہما السلام کوخطاب کیا گیا ہے۔جب کہ ان دونوں نے فرعون کی گرفت کے خوف کی شکایت کی تھی۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں سے فرمایا:

”تم دونوں ڈرومت، میں تمہارے ساتھ دیکھ اورسن رہاہوں“

پانچویں آیت ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی جس وقت اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیت اللہ میں نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔تو یہ آیتیں نازل ہوئیں:

أرأيت الذي ينهىٰ☆عبداً اذا صلى☆ أرأيت ان كان على الهدى☆ أو أمر بالتقوىٰ☆أرأيت ان كذب وتولىٰ☆ ألم يعلم بأن الله يرىٰ☆

”کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جو روکتا ہے ،ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے،تمہارا کیا خیال ہے اگر وہ (بندہ) سیدھی راہ پر ہے،یا اگر چہ وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دیتا ہے۔تمہارا کیا خیال ہے اگر چہ وہ (روکنے والا) جھٹلاتا ہے اوردین اسلام سے منہ موڑتا ہے۔کیا اسے معلوم نہیں کہ اللہ دیکھ رہا ہے۔

(العلق:۹۔۱۴)

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کی طرف مکر و کید کی نسبت

وقوله:﴿وهو شديد المحال﴾ (الرعد : ۱۳)

وقوله:﴿ ومكروا ومكر الله والله خير الماكرين﴾ (آل عمران: ۵۴)

وقوله:﴿ ومكروا مكراً ومكرنا مكراً وهم لايشعرون﴾ (النمل : ۵۰)

وقوله:﴿انهم يكيدون كيداً وأكيد كيداً﴾ (الأعلیٰ :۱۵)

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی دوصفتوں کا اثبات ہوتا ہے وہ ہیں مکر اور کید۔[1] یہ دونوں اختیاری صفات ہیں جن کا تعلق فعل سے ہے لیکن ان دونوں صفات سے اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی اسم مشتق کر کے ماکر و کائد نہیں کہا جاسکتا بلکہ نصوص میں جہاں کہیں اس بات کا ذکر ہے کہ وہ سب سے بہتر مکر کرنیوالا ہے اور وہ اپنے کافر دشمنوں کے ساتھ سازش وتدبیر کرتا ہے تو ان نصوص پر توقف کیا جائے گا۔

"شديد المحال" کا مطلب ہے سزا دینے کے وقت سخت مؤاخذہ کرنے والا۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ہے﴿ان بطش ربک لشديد﴾ "بے شک تیرے رب کی گرفت بڑی سخت ہے"۔ (البروج:۱۳)

ایک اور جگہ ہے:﴿ان أخذه أليم شديد﴾ "اس کی گرفت بڑی ہی دردناک ہے۔" (هود:۱۰۲)

ابن عباس کے نزدیک "شديد المحال" کا معنیٰ ہے "شديد الحول" اور مجاھد کے نزدیک اس کا معنیٰ ہے "شديد القوة" دونوں کا مفہوم قریب قریب ایک ہی ہے۔

---

[1] محشی کتاب شیخ اسماعیل انصاری حاشیہ میں رقم فرماتے ہیں، امام ابن القیم اپنی کتاب "الصواعق" میں لکھتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مکر، کید، استھزاء اور خداع جیسی صفات اپنی ذات کیلئے مطلق طور پر استعمال نہیں فرمایا ہے بلکہ اس قسم کے افعال کے مرتکبین کی جزاء کے طور پر استعمال کیا ہے اور یہ اپنی جگہ پر مستحسن ہے، لہٰذا ان افعال مشتق اسماء کا استعمال مطلق طور پر اللہ کیلئے کرنا درست نہیں، اس لئے کہ یہ بعض موقعوں پر قابل مدح ہیں تو بعض موقعوں پر مذموم۔ (ترمذی)

Www.IslamicBooks.Website

آیت ﴿والله خیرا لماکرین﴾ کا مطلب ہے اللہ کا مکر ان کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیزی کے ساتھ نافذ ہونے والا اور پہل کرنے والا ہے۔"

بعض سلف نے لوگوں کے ساتھ اللہ کے مکر کرنے کی تفسیر یوں بیان کی ہے کہ وہ انہیں ناز ونعمت میں ڈال کر اس طرح تدریجی مہلت دیتا ہے کہ انہیں خبر تک نہیں ہوتی۔ لوگ جب بھی کسی نئے گناہ کی شروعات کرتے ہیں تو وہ ان کے لئے ایک نئی نعمت ظاہر کر دیتا ہے۔ حدیث میں ہے:

"تم جب یہ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو جو کہ معصیت پر مصر اور اڑا ہوا اس کی محبوب اشیاء سے نوازتا ہی جا رہا ہے تو سمجھ لو کہ یہ اللہ کی جانب سے ڈھیل اور تدریجی مہلت ہے۔"

یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں نازل ہوئی۔ یہودیوں نے جب آپؑ کے قتل کا ارادہ کر لیا تو آپ ایک ایسے گھر میں داخل ہو گئے جس میں روشندان تھا اور اللہ تعالیٰ نے جبریل کے ذریعے آپ کی اس طرح مدد فرمائی کہ آپ کو روشندان کے راستے آسمان پر اٹھا لیا۔ یہودا نامی ایک شخص آپ کو ڈھونڈنے کے لئے اس گھر میں داخل ہو گیا، اللہ نے وہیں اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا، چنانچہ جب وہ شخص لوگوں کو عیسیٰؑ کی غیر موجودگی کی اطلاع دینے باہر نکلا تو لوگوں نے اسے عیسیٰ سمجھ کر قتل کر دیا۔ آیت میں اسی واقعے کی طرف اشارہ ہے:

"لوگ خفیہ چال چلے تو اللہ نے بھی خفیہ چال چلی"۔

تیسری آیت میں قوم صالح کے اس واقعے کی طرف اشارہ ہے کہ ان کے نو افراد نے اس بات پر اللہ کی قسم کھائی کہ رات کے وقت صالح علیہ السلام اور ان کے اہل پر حملہ کر کے قتل کر دیں گے۔ اور پھر ان کے متعلقین سے یہ کہہ دیں گے کہ ان کی ہلاکت کے وقت ہم موجود نہ تھے۔ اس خفیہ چال کا انجام یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تدبیر کر کے ان سب کو ہلاک کر دیا۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت عفو، قدرت، مغفرت، رحمت، عزت کا اثبات

وقوله: ﴿ان تبدوا خيرا أوتخفوه أوتعفوا عن سوء فان الله كان عفواً قديراً. وليعفوا وليصفحوا ألا تحبون أن يغفر الله لكم. والله غفور رحيم﴾

وقوله: ﴿ولله العزة ولرسوله وللمؤمنين﴾

وقوله عن ابليس: ﴿فبعزتک لأغوينهم أجمعين﴾

وقوله: ﴿تبارک اسم ربک ذوالجلال والاکرام﴾

ان آیات سے اللہ تعالیٰ کی چند صفات مثلاً عفو، قدرت، مغفرت، رحمت، عزت، تبارُک (باعث برکت ہونا) اور جلال واکرام کا اثبات ہوتا ہے۔

العفو اس کا اسم ہے اس کا معنیٰ ہے اپنے بندوں کی سزا سے درگزر کرنے والا، جب لوگ اس کی طرف متوجہ اور یکسو ہو کر توبہ کرتے ہیں تو وہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ اور گناہوں سے درگزر کرتا ہے۔

اس آیت یا اس کے علاوہ دوسری آیتوں میں صفت عفو اور صفت قدرت کو ایک ساتھ ذکر کیا جانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کامل عفو یہ ہے کہ انتقام ومواخذہ پر مکمل قدرت وطاقت رکھنے کے باوجود معاف کر دیا جائے۔

قدرت اللہ تعالیٰ کی وہ صفت ہے جس کا تعلق ممکنات سے ہے چاہے عملاً اس شئ کا وجود ہو چکا ہو یا ابھی وہ شئ عدم میں ہو، کائنات میں ہر ہونے والا تغیر اس کی قدرت ومشیت کے تحت ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے:

"ماشاء الله كان ومالم يشالم يكن"

یعنی جو کچھ اللہ نے چاہا ہوا اور جو کچھ نہیں چاہا نہیں ہوا۔

آیت کریمہ ﴿وليعفوا وليصفحوا ألاتحبون أن يغفر الله لكم﴾ ابوبکر

Www.IslamicBooks.Website

رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی جب کہ انہوں نے اپنی خالہ زاد بہن کے بیٹے مسطح بن اثاثہ کی کفالت نہ کرنے کی قسم کھالی تھی کیونکہ واقعۂ افک کے متعلق قیاس آرائیاں کرنے والوں میں یہ بھی شریک تھے۔ لیکن جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو ابوبکرؓ نے کہا:

''واللہ! میں یہی چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف فرمائے''

اور پھر مسطح کی کفالت دوبارہ کرنے لگے۔

آیت کریمہ ﴿وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین﴾ رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی بن سلول کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس نے کسی غزوے میں قسم کھائی کہ مدینہ پہونچنے کے بعد وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ مل کر اللہ کے رسول اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو وہاں سے نکال باہر کردے گا۔ اسی واقعے کی طرف اشارہ کرنے کیلئے یہ آیت نازل ہوئی:

''یقولون لئن رجعنا الی المدینة لیخرجن الأعز منھا الأذل''

''لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ لوٹ گئے تو وہاں سے عزت والے ذلیلوں کو ضرور نکال باہر کردیں گے'' (المنافقون: ۸)

وہ خود کو اور اپنے ساتھیوں کو باعزت اور رسول و آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو ذلیل سمجھ رہا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے قول کی تردید میں یہ آیت نازل فرمائی ''وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین'' یعنی اللہ کے لئے عزت ہے اور اس کے رسول و مومنین کے لئے''۔

عزت ایسی صفت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے ثابت کیا ہے۔ قرآن میں ہے: ﴿وھو العزیز الحکیم﴾ ''وہ عزیز حکمت والا ہے''۔ ایک دوسری جگہ ہے ﴿وکان اللہ قویا عزیزا﴾ یعنی ''اللہ قوی و عزیز ہے'' (الاحزاب: ۲۵)

حدیث شفاعت میں اس نے اپنی اس صفت کی قسم بھی کھائی ہے۔ فرمایا:

''میری عزت و کبریائی اور بزرگی کی قسم! لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کرنے والے ہر

Www.IslamicBooks.Website

شخص کو جہنم سے ضرور نکالوں گا'' ابلیس نے بھی کہا تھا ''تیری عزت کی قسم! میں ان تمام کو ضرور بہکاؤں گا سوائے ان کے جو تیرے نیک ومخلص بندے ہوں گے۔''

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی بخاری کی حدیث میں ہے: ''ایوب علیہ السلام عریاں ہو کر غسل کر رہے تھے کہ اتنے میں ان کے پاس سونے کی ٹڈی گری، ایوبؑ اسے اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے تو ان کے رب نے انہیں پکارا: کیا میں نے تمہیں ان چیزوں سے غنی نہیں کر دیا؟ ایوبؑ نے فرمایا: کیوں نہیں، تیری عزت کی قسم! لیکن میں تیری برکت سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔''

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے درد سے شفا حاصل کرنے کے لئے ایک دعا سکھلائی تھی جس کے الفاظ یہ ہیں:

''أعوذ بعزة الله وقدرته من شر ما أجد وأحاذر''

''میں اللہ کی عزت اور اس کی قدرت کی پناہ میں آتا ہوں ہر اس چیز کے شر سے جسے میں محسوس کرتا ہوں اور ڈرتا ہوں۔''

عزت کا لفظ اگر باب نصر سے آئے تو بمعنیٰ غلبہ وتسلط اور باب فتحہ سے آئے تو بمعنیٰ قوت وصلابت ہوگا۔ چنانچہ ''ارض عزاز'' سخت زمین کو کہتے ہیں، نیز اگر باب ضرب سے آئے تو اس وقت علو قدر اور دفاع کے معنی میں ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لئے یہ تمام معانی ثابت ہیں۔

رہی آیت ﴿تبارک اسم ربک ذو الجلال والاکرام﴾ تو اس کا لفظ تبارک برکت سے مشتق ہے معنی ہے خیر کا دوام اور اس کی کثرت، ذو الجلال کا معنی ہے عظمت وبزرگی والا، اللہ کے مقابلے میں اس سے زیادہ عظمت وجلال کا مالک کوئی نہیں ۔والاکرام کا مطلب ہے وہ ذات جو غیر مناسب صفات وافعال سے محفوظ ہے۔ ایک قول کے مطابق اس کا ایک معنی یہ بھی ہو سکتا ہے جو دنیا وآخرت دونوں میں اپنے بندوں کی مختلف اعزازات سے نواز کر عزت افزائی کرنے والا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

بعض سلبی وتنزیہی صفات کا بیان

وقوله: ﴿ فاعبده واصطبر لعبادته هل تعلم له سمياً﴾ (مريم : ٦٥)

﴿ولم يكن له كفواً أحد﴾ (الاخلاص :۴)

وقوله: ﴿فلا تجعلوا لله أنداداً وأنتم تعلمون﴾ (البقرة: ۲۲)

﴿ومن الناس من يتخذ من دون الله أنداداً يحبونهم كحب الله﴾ (البقرة : ١٦٥)

وقوله: ﴿ وقل الحمد لله الذى لم يتخذ ولداً ولم يكن له شريك فى الملك ولم يكن له ولى من الذل وكبره تكبيراً﴾ (الاسراء : ١١١)

﴿يسبح لله ما فى السمٰوات وما فى الأرض له الملك وله الحمد وهو علىٰ كل شئ قدير﴾ (التغابن : ١)

وقوله: ﴿ تبارك الذى نزل الفرقان على عبده ليكون للعالمين نذيراً. الذى له ملك السمٰوات والأرض ولم يتخذ ولداً ولم يكن له شريك فى الملك وخلق كل شئ فقدره تقديراً﴾ (الفرقان : ١)

وقوله: ﴿ ما اتخذ الله من ولد وما كان معه من اله اذاً لذهب كل اله بما خلق ولعلا بعضهم علىٰ بعض سبحان الله عما يصفون. عالم الغيب والشهادة فتعالىٰ عما يشركون﴾ (المؤمنون : ٩١)

﴿فلا تضربوا لله الأمثال. ان الله يعلم وأنتم لا تعلمون﴾)النمل: ۷۴)

﴿قل انما حرم ربى الفواحش ماظهر منها وما بطن والاثم والبغى بغير الحق وأن تشركوا بالله مالم ينزل به سلطاناً وأن تقولوا على الله مالا تعلمون.﴾ (الاعراف: ۳۳)

یہ تمام آیات (جو کہ قرآن کے دس مقامات سے لی گئی ہیں) اللہ تعالیٰ کی چند

Www.IslamicBooks.Website

سلبی صفات کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً: ان آیات میں اس کی ذات سے مسمّی یعنی ہم نام، کفو یعنی برابری کرنے والا، اور اسی طرح ند، ولد، شریک اور ولی کی نفی کی گئی ہے، ساتھ ہی اس کی بعض اثباتی صفات مثلاً مالک، حمد، قدرت، کبریائی اور تبارک کا بھی پتہ چلتا ہے۔

رہا پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول "ھل تعلم له سمیا" تو اس سلسلے میں شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

''اہل لغت کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا تم اس کا کوئی نظیر جانتے ہو جو اس کے نام کے جیسے نام کا مستحق ہو؟ یا اس کے جیسا کوئی ہے جو اس کے مقابل ہو سکے؟ یہ تفسیر ابن عباسؓ سے بھی مروی ہے: ''کیا تم اس کا مثل اور اس کے جیسا کسی کو جانتے ہو کہ ہم معنی ہے؟ آیت میں استفہام انکاری ہے معنی ہے "لا تعلم له سمیا" یعنی اس کا کوئی مثل یا ہم نام نہیں جانتے۔

دوسری آیت ﴿ولم یکن له کفوا أحد﴾ میں کفو سے مراد ہے برابری کرنے والا، یہ آیت کریمہ عمومی طور پر ہر قسم کی مشابہت اور نظیر کی نفی کر رہی ہے کیونکہ لفظ "أحداً" نفی کے سیاق میں نکرہ واقع ہوا ہے۔ سورۂ اخلاص کے سلسلے میں گفتگو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے۔

رہی تیسری آیت ﴿فلا تجعلوا لله اندادا﴾ تو اس میں "اندادا" ند کی جمع ہے بمعنی نظیر و قائم مقام، کہتے ہیں: "لیس لله ند و لا ضد" یعنی نہ تو اللہ کا کوئی مثل ہے اور نہ ہی ضد۔ و أنتم تعلمون والا جملہ تجعلوا کی ضمیر سے حال واقع ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ جب تم جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہے اسی نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی رزق کا انتظام بھی کرتا ہے اور یہ معبود جنہیں تم نے اس کا شریک بنا رکھا ہے کوئی شئ بھی پیدا کرنے پر قادر نہیں بلکہ یہ خود مخلوق ہیں جو تمہارے کسی نفع و نقصان کے مالک نہیں ہیں تو تم ان کی عبادت کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت و تعظیم بجا لاؤ۔

Www.IslamicBooks.Website

چوتھی آیت کریمہ ﴿ومن الناس من یتخذ من دون اللہ أنداداً یحبونهم کحب اللہ﴾ میں اللہ رب العزت مشرکین کے طرز عمل کی خبر واطلاع دے رہا ہے کہ وہ لوگ اپنے معبودوں سے ایسی ہی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے کرتے ہیں یعنی یہ لوگ محبت میں انہیں اس کے مساوی اور برابر قرار دیتے ہیں لیکن مشرکین کی ان کے معبودوں سے محبت کے مقابلے میں، مومن اللہ سے محبت کرنے میں بہت ہی زبردست ہیں کیونکہ انہوں نے محبت کو صرف ایک اللہ کے لئے خالص کرلیا ہے جب کہ مشرکین کی محبت ان معبودوں کے درمیان بٹی ہوئی ہے۔ اور یہ مسلم حقیقت ہے کہ اگر محبت کا رخ صرف ایک طرف ہو تو وہ زیادہ پختہ اور قوی ہوتی ہے۔

اس آیت کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں سے بالکل ایسے ہی محبت رکھتے ہیں جیسے مومنین اللہ سے، لیکن مومنین محبت کے معاملے میں مشرکین کے بہ نسبت بہت آگے ہیں۔

پانچویں آیت ﴿وقل الحمد للہ الذی لم یتخذ ولداً ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیراً﴾ میں یہ صراحت کی گئی ہے کہ حمد وثنا اللہ کے لئے ہے، معنی حمد کے تعلق سے گفتگو گزر چکی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ حصول نعمت یا غیر نعمت پر زبان سے تعریف کرنے کا نام ''حمد'' ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے حمد کا اثبات ان تمام کمالات کے اثبات پر مشتمل ہے جن کی انتہاء تک پہنچ کر ہی کوئی حمد مطلق کا مستحق ہوسکتا ہے۔

پھر اسی آیت میں آگے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے ان تمام صفات کی نفی کی جو اس کے کمال حمد کی منافی ہیں، یعنی اس بات کی صراحت فرمائی کہ نہ تو اس کی کوئی اولاد ہے اور نہ ہی شریک اور نہ ہی وہ کمزور ومحتاج ہے کہ اسے کسی مددگار کی ضرورت ہو، پس اللہ اپنی مخلوقات میں سے کسی کو اس لئے دوست نہیں بناتا کہ وہ کمزور ہے یا اس کا ضرورت مند ہے۔ پھر اپنے بندوں اور رسول کو اس بات کا حکم دیا کہ وہ اس کی تکبیر بیان کرے یعنی اس

Www.IslamicBooks.Website

کی تعظیم وبڑائی بیان کرے اور ہر اس ناقص صفت سے اس کی ذات کو منزہ اور پاک بتلائے جس سے اس کے دشمن یعنی مشرکین اسے متصف قرار دیتے ہیں۔

سورۂ تغابن کی آیت کریمہ ﴿یسبح للہ مافی السموٰات ومافی الأرض لـه الملک وله الحمد وهو علىٰ کل شیٔ قدیر﴾ میں اس امر کی صراحت کی گئی ہے کہ آسمان وزمین کی ہر شئی اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے۔ تسبیح کے معنی ہیں خرابی ونقص سے منزہ اور پاک بتانا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ آسمان وزمین کی ہر شئی اپنے رب کی حمد کے ساتھ تسبیح بیان کر رہی ہے۔ اور اس کے کمال علم وحکمت اور اس کے کمال قدرت وتدبیر نیز اس کے کامل عزت ورحمت کی گواہی دے رہی ہے۔ چنانچہ اللہ رب العزت فرماتا ہے ﴿وان من شیٔ الا یسبح بحمده ولکن لاتفقهون تسبیحهم﴾ یعنی ہر شئی اس کی تعریف کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کر رہی ہے مگر تم لوگ اس کی تسبیح بیان کرنے کی کیفیت کو سمجھتے نہیں ہو۔ (الاسراء:۴۴)

قوت گویائی سے محروم جمادات کی تسبیح بیان کرنے کی کیفیت کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ان کی تسبیح زبان حال سے ہوتی ہے یا زبان قال سے۔ میرے نزدیک اس قرآنی دلیل کی بنیاد پر دوسری صورت راجح ہے۔ قرآن کہتا ہے: ﴿ ولکن لا تفقهون تسبیحهم﴾ یعنی تم ان کی تسبیح کی کیفیت کو سمجھتے نہیں۔ اگر اس سے زبان حال سے تسبیح بیان کرنا مراد ہوتا تو بات بالکل واضح تھی، یہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں۔"

داؤد علیہ السلام کے متعلق خبر دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿انا سخرنا الجبال معه یسبحن بالعشی والاشراق. والطیر محشورة کل له أواب﴾ (ص:۱۸. ۱۹)

"ہم نے پہاڑ کو حکم دے رکھا تھا کہ اس کے ساتھ شام وصبح کی تسبیح بیان کرے،

Www.IslamicBooks.Website

اور پرندوں کو بھی جو جمع ہو کر اس کے ساتھ مشغول ذکر رہتے۔''

اب رہا اللہ تعالیٰ کا یہ قول: ﴿ تبارک الذی نزل الفرقان علی عبده لیکون للعالمین نذیراً. الذی له ملک السموات والأرض ولم یتخذ ولداً ولم یکن له شریک فی الملک وخلق کل شئ فقدره تقدیراً﴾ تو اس میں مذکور لفظ ''تبارک'' کے سلسلے میں گزر چکا ہے کہ یہ برکت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خیر اور بھلائی میں دوام اور کثرت واضافہ۔ لیکن یہاں کثرت واضافہ کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے نقص تھا۔ بلکہ ان اختیاری کمالات میں تجدد اور اضافہ مراد ہے جو کہ اس کی قدرت اور اس کی مشیت کے تابع ہیں۔ چنانچہ یہ اختیاری کمالات اس کی ذات میں اس کی حکمت کے مطابق وجود پذیر ہوتے ہیں، لہٰذا اس کی حکمت کے تقاضے سے قبل ان کا عدم وجود کسی قسم کا نقص شمار نہ ہوگا۔

''تبارک'' کی تفسیر بعض نے ثبات ودوام اور عدم تغیر سے کی ہے اسی معنی کا اعتبار کرتے ہوئے تالاب کو بِرکۃ کہا جاتا ہے کیونکہ اس کا پانی باقی رہتا ہے لیکن یہ تفسیر غیر معروف ہے۔

''فرقان'' سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس کے اندر حق وباطل اور ہدایت وگمراہی کے درمیان تفریق کرنے کی قوت ہے۔ نزل کا لفظ بالتشدید لانے کا فائدہ یہ ہے کہ قرآن یکبارگی نہیں بلکہ بتدریج نازل ہوا ہے۔ ''عبدہ'' سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف واعزاز کو بتانے کے لئے آپ کو عبودیت کے لقب سے یاد کیا گیا ہے۔ ''العالمین'' عالم کی جمع ہے اور یہ جمع مذکر سالم ہے جو کہ صرف عاقل کی جمع ہوتی ہے۔ عالم سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلے میں کئی اقوال ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ اس سے مراد صرف انسان ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ انسان کے ساتھ جنات بھی عالم کے معنی میں شامل ہیں اور یہی قول صحیح ہے۔

حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جنات کے لئے مبعوث کئے

Www.IslamicBooks.Website

گئے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لیجاتے اوران پر قرآن کی تلاوت کرتے تھے۔ جنات کے ایک گروہ نے قرآن سن کر اسلام قبول کرلیا۔اور پھراس قرآن کے ذریعے اپنی قوم کوڈرانے بھی گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿واذ صرفنا الیک نفراً من الجن یستمعون القرآن. فلما حضروہ قالوا أنصتوا فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین﴾ (الاحقاف: ۲۹)

''اور جب ہم نے تمہاری طرف جنوں کی ایک جماعت کوقرآن سننے کے لئے پھیر دیا تھاپس وہ جب رسول کے پاس پہونچے توانہوں نے کہاتم سب کان لگا کرسنو، جب تلاوت ختم ہوگئی تووہ اپنی قوم کے پاس گئے ......وہ اپنی قوم کوعذاب الٰہی سے ڈرانے والے تھے۔''

''نذیر'' یا ''منذر''اس شخص کو کہتے ہیں جوخوف دلاکرکوئی چیز سکھائے،اس کی ضد''بشیر'' یا''مبشر'' ہےیعنی وہ شخص جوخوش کن خبر دے۔

تعدد الٰہ کا ابطال

آیت کریمہ ﴿ما اتخذ اللہ من ولد وما کان معہ من الٰہ اذالذھب کل الٰہ بما خلق ولعلا بعضھم علی بعض﴾ بھی چند تنزیہی صفات پر مشتمل ہے جن کا مقصد اللہ کی ذات سے ان صفات کی نفی کرنا ہے جواس کے شایان شان نہیں ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے آپ کواس سے منزہ اور پاک بتایا ہے کہ اس نے کسی کواپنا بیٹا قرار دیا ہویااس کے ساتھ کوئی ایسا معبود ہو جو کہ خالق بن سکے، نیز اپنے آپ کے ان تمام صفات سے متصف ہونے سے نفی کی ہے جن صفات سے افتراء پرداز اور کذاب حضرات اسے متصف قرار دیتے ہیں۔اورساتھ ہی اپنی ذات وصفات کے سلسلے میں مثال بیان کرنے، بغیر برہان ودلیل کے کسی کوشریک قرار دینے اور بغیر علم ودلیل کے اس کی طرف غلط باتیں منسوب کرنے کی بھی ممانعت کردی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

یہ آیت کریمہ توحید الوہیت اور توحید ربوبیت کے اثبات پر مشتمل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے سوا کسی دوسرے الہ کے عدم وجود کی اطلاع دینے کے بعد صاف اور روشن دلیل کے ذریعے واضح کردیا ہے کہ اگر اس کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ہوتا جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں تو ہر معبود اپنی مخلوقات کے ساتھ الگ ہوجاتا اور ایک دوسرے پر چڑھ دوڑتا۔

قرآن کی اس دلیل کی توضیح یہ ہے کہ جب متعدد معبود ہوں گے تو لازمی طور پر ہر ایک کی الگ مخلوق ہوگی اور ہر ایک کا عمل دخل ہوگا، ان کے درمیان آپسی تعاون کی بھی کوئی سبیل نہ ہوگی کیونکہ آپسی اختلاف تو ہوگا ہی۔ تخلیق کے سلسلے میں اگر ایک دوسرے کا تعاون کرے گا تو گویا اپنی حد تک ہر ایک کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور عاجز معبود نہیں بن سکتا۔ تو پھر ضروری ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنی مخلوق اور اپنے فعل کے سلسلے میں خود مختار ہو۔ اس صورت میں یا تو سب اپنی طاقت وقوت میں برابر ہوں گے اور ان میں سے کوئی کسی پر تسلط یا غلبہ نہ پاسکے گا چنانچہ ہر ایک اپنی اپنی مخلوق کے ساتھ اپنے خاص ملک میں الگ ہوجائے گا جیسا کہ دنیا کے ملوک کرتے ہیں، اس صورت میں ایک دوسرے پر غلبہ اور تسلط کی قباحت سے بچ جائیں گے۔ یا ان میں کا کوئی ایک سب پر بھاری اور غالب ہوگا چنانچہ وہ سب کو مغلوب کرلے گا اور جبر کرکے خلق اور تدبیر میں سب سے منفرد ہوجائے گا۔

متعدد معبود والہ ہونے کی حالت میں دو امور میں سے کوئی ایک امر لازمی طور پر وقوع پذیر ہوگا۔

۱...... یا تو ہر ایک اپنی مخلوقات کے ساتھ الگ تھلگ ہوجائے گا۔

۲...... یا سب کے سب ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کریں گے۔

پہلی صورت یعنی ہر ایک کا اپنی مخلوق کولیکر الگ تھلگ ہوجانا اس لئے ممکن نہیں کہ اس سے تنافر اور اجزائے عالم میں انفصال لازم آئے گا۔ جب کہ مشاہدہ کہتا ہے کہ

Www.IslamicBooks.Website

عالم کے تمام اجزاء آپس میں مرتبط اور جڑے ہوئے ایک جسم کے مانند ہیں، چنانچہ یہ بات محقق ہوگئی کہ اس میں صرف ایک ہی الہ کا اثر ممکن ہے۔

دوسری صورت یعنی ایک دوسرے پر چڑھائی اور غلبہ وتسلط حاصل کرنے کی صورت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ الہ وہی ہوگا جو تنہا سب پر غالب ہو۔

آیت کریمہ ﴿ فلا تضربوا للہ الأمثال ﴾ میں لوگوں کو اللہ کی مخلوقات میں سے کسی شئ سے اس کی تشبیہ بیان کرنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اسی کے لئے وہ تمام اعلی مثالیں ہیں جن میں کوئی مخلوق شریک نہیں۔

بیان کیا جاچکا ہے کہ اس کے حق میں ان تمام قیاسات کا استعمال جائز نہیں جن سے اس کے اور دوسروں کے درمیان مماثلت ومساوات لازم آتی ہو، خواہ وہ قیاس تمثیل ہو یا قیاس شمول، البتہ قیاس اولیٰ کا استعمال کیا جاسکتا ہے جس کا مضمون یہ ہے کہ ہر وہ ثابت شدہ کمال وخوبی جس کے سبب کسی قسم کا نقص لازم نہیں آتا مخلوق اگر اس سے متصف ہے تو خالق اس سے متصف ہونے کا زیادہ حقدار ہے، کیونکہ اسی نے مخلوق کو وہ خوبی عنایت کی ہے۔ مزید یہ کہ اگر وہ اس خوبی وکمال سے متصف نہ ہوگا باوجودیکہ اس کیلئے اس سے متصف ہونا ممکن ہو تو اس کی مخلوق میں ایسے شخص کا وجود لازم آئے گا جو اس سے بھی کامل ہو، اور ایسا ہونا محال وناممکن ہے۔ اسی طرح ہر وہ نقص جس سے مخلوق منزہ اور پاک ہے تو خالق بدرجۂ اولیٰ اس سے منزہ ہوگا۔

اس سلسلے کی آخری آیت کریمہ میں اُداۃ قصر "انما" سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اس میں جن اشیاء کا تذکرہ ہے صرف وہی حکم حرمت کے ساتھ خاص ہیں، اس سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ان کے علاوہ دیگر تمام اشیاء جو طیب ہیں ان کا حکم یہ ہے کہ وہ مباح ہیں اس کے استعمال میں کسی قسم کی قباحت نہیں۔

فواحش، فاحشۃ کی جمع ہے۔ اس کے معنی ہیں قباحت میں انتہا کو پہونچا ہوا فعل، بعض حضرات نے ان معاصی اور گناہ کے کاموں پر اس لفظ کا اطلاق کیا ہے جن میں

Www.IslamicBooks.Website

شہوت اور لذت کا تصور ہو، چاہے وہ ظاہری ہوں مثلاً زنا اور لواطت وغیرہ یا ان کا تعلق باطنی فواحش سے ہو مثلاً کبر وتکبر اور ریاست وعہدے کی خواہش وغیرہ۔

اب رہا ''اثـــم'' تو اس سے بعض لوگ صرف معصیت مراد لیتے ہیں اس صورت میں اس سے مراد وہ گناہ ہوں گے جو فحش سے کم درجے کے ہوں۔ جب کہ بعض نے اس کو خمر یعنی شراب کے ساتھ خاص مانا ہے۔ اس صورت میں تو یہ گناہوں کی جڑ ہے۔

آیت میں مذکور لفظ ''ألبغی بغیر الحق'' کے معنی ہیں لوگوں پر تسلط اور ظلم کرنا اور یہ ظلم واعتداء قصاص یا مماثلت کی بنیاد پر نہ ہو۔

''وأن تشرکوا بالله مالم ینزل به سلطانا'' کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور کی عبادت کرنا حرام ہے نیز عبادت وتقرب کی تمام قسموں میں سے کسی ایک قسم کے ذریعے غیر اللہ سے تقرب حاصل کرنا بھی حرام ہے، مثلاً دعا، نذر، ذبح، خوف ورجا وغیرہ۔ ان تمام کا تعلق ان امور سے ہے جس میں اپنے دل کو اللہ کے لئے خالص کرنا اور اپنے چہرے کو اس کے سامنے جھکا دینا ایک بندے پر واجب اور ضروری ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ایسے اولیاء مقرر کرنا بھی حرام ہے جو عبادت اور معاملات کے تعلق سے ایسا طریقہ مقرر کریں جس کی اللہ نے اجازت نہ دی ہو، جیسا کہ بعض اہل کتاب نے اپنے علماء وراہبوں کے ساتھ کیا ہے۔ اس طرح کہ انہوں نے قانون سازی وشریعت سازی میں انہیں اپنا رب بنالیا تھا۔ چنانچہ ان راہبوں نے اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو حلال اور حلال کردہ اشیاء کو حرام قرار دے دیا۔ اور اہل کتاب نے اس معاملے میں ان کی پیروی بھی کی۔ .... آیت کریمہ: ''مالم ینزل به سلطانا'' میں بیان شدہ حکم کی قید بیان کی گئی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر کسی دوسرے چیز کی عبادت کی جائے یا اتباع وپیروی کی جائے تو ایسا کرنا .... سراسر بے دلیل ہے۔

رہا ''بغیر علم کے اللہ پر بات کہنا'' تو یہ بہت وسیع مفہوم میں ہے اس ضمن میں اللہ تعالیٰ کے متعلق ہر وہ بات آجاتی ہے جو بغیر کسی دلیل وحجت کے کی جائے۔ مثلاً: اللہ

Www.IslamicBooks.Website

کی ثابت کردہ اشیاء کا انکار کرنا اور اس کی نفی کردہ اشیاء کو ثابت کرنا، نیز تحریف وتاویل کی وجہ سے اس کی آیات میں الحاد کرنا وغیرہ وغیرہ۔

علامہ ابن قیم اپنی کتاب ''اعلام الموقعین'' میں لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ پر کوئی بات بنالینا اور فتوؤں وفیصلوں میں بغیر علم کے زبان کھولنا یہ تمام حرام کاموں میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿**قل انما حرم ربی الفواحش ماظهر منها ومابطن والاثم والبغی بغیر الحق وأن تشرکوا باللہ مالم ینزل به سلطانا وأن تقولوا علی اللہ مالاتعلمون**﴾ یعنی کہہ دے کہ میرے رب نے تو تمام برائیوں اور بدیوں کو بالکل حرام ہی کر دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ، اور گناہ وظلم کو حرام کیا ہے۔ اور اللہ کے ساتھ کسی اور کو شریک کرنے کو جس کی کوئی آسمانی دلیل نہیں ہے اللہ نے حرام کیا ہے۔ اور اس بات کو بھی کہ اللہ کے ذمے وہ کہو جس کا تمہیں علم نہ ہو۔...... اس آیت سے ظاہر ہو رہا ہے کہ بے علمی کے ساتھ شریعت کی بات بتانی تمام حرام کاموں میں بڑھ کر حرام ہے اس لئے کہ آیت میں حرمتوں کا ذکر ترتیب سے ہے، سب سے پہلے سب سے ہلکی چیز یعنی فحش کاموں کی حرمت ہے، اس کے بعد اس سے بڑھی ہوئی حرمت گناہ اور ظلم کی ہے۔ پھر اس کے بعد اس سے بھی بڑھی ہوئی حرمت والی چیز یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے کی حرمت کا ذکر ہے پھر چوتھے اور آخری وانتہائی مرتبے میں ان سب سے بڑھ چڑھ کر جو چیز اشد حرام ہے اس کا ذکر ہے۔ یعنی اللہ کا نام لیکر وہ بات کہنا جس کا علم نہ ہو۔ خواہ وہ قول اللہ کے ناموں میں ہو، اس کی صفتوں میں ہو، اس کے کاموں میں ہو، اس کے دین اور اس کی شریعت میں ہو، کسی میں ہو سب کا یہی عام حکم ہے۔''

(اعلام الموقعین اردو ج ۱ :ص ۴۴)

استوىٰ علی العرش کا بیان

وقوله (الرحمن على العرش استوىٰ) فى سبعة مواضع:

وفى سورة الأعراف قوله: ﴿ان ربكم الله الذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة ايام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة يونس: ﴿ ان ربكم الله الذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة ايام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الرعد: ﴿ الله الذى رفع السمٰوات بغيرعمد ترونها ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة طه: ﴿الرحمن على العرش استوىٰ﴾

وقال فى سورة الفرقان: ﴿ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الم السجدة: ﴿الله الذى خلق السمٰوات والأرض ومابينهما فى ستة أيام ثم استوىٰ على العرش﴾

وقال فى سورة الحديد: ﴿ هو الذى خلق السمٰوات والأرض فى ستة أيام ثم استوىٰ على العرش﴾

یہ وہ سات مقامات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے خود کو عرش پر مستوی ہونے کی خبر دی ہے، اور یہ تمام دلائل قرآنی آیات ہونے کے سبب قطعی الثبوت ہیں۔ چنانچہ جہمیہ یعنی صفات کے باب میں مذہب تعطیل اختیار کرنے والے بھی ان آیات کا رد و انکار نہیں کر سکتے۔[1] اور ساتھ ہی یہ تمام آیات استواء علی العرش کے اثبات کے باب میں اس

---

[1] واضح رہے کہ جہمیہ اللہ تعالیٰ کے عرش پر مستوی ہونے کو تسلیم نہیں کرتے۔ (اعلام الموقعین اردو ج ۱ ص ۵۲۹)

Www.IslamicBooks.Website

قدر واضح ہیں کہ ان میں کسی ناحیے سے بھی تاویل نہیں کی جا سکتی۔ کیونکہ لفظ استویٰ کو حرف جار ''علی'' کے ساتھ استعمال کرنے کی صورت میں اسکا معنی ''علو اور ارتفاع'' ہی سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی لئے اس کے معنی کے تعلق سے سلف کی تفسیریں چار معنوں کے درمیان گردش کر رہی ہیں جنہیں علامہ ابن القیم نے اپنے قصیدۂ نونیہ میں ذکر کیا ہے۔ وہ چار معانی یہ ہیں۔

(۱) استقر (۲) علا (۳) ارتفع (۴) صعد

اہل سنت والجماعت اللہ کے عرش پر مستوی ہونے اور مخلوق سے اس کے جدا اور الگ ہونے کے متعلق ایمان رکھتے ہیں بالکل اسی کیفیت کے ساتھ جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جیسا کہ امام مالک اور ان کے علاوہ دوسرے علماء نے فرمایا تھا ''الاستواء معلوم والکیف مجھول'' یعنی استوا تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت معلوم نہیں۔ رہے وہ تمام فاسد لوازمات وخدشات جنہیں استوا کو ثابت کرنے کی صورت میں اہل تعطیل پیش کرتے ہیں تو ہم اسے تسلیم نہیں کرتے کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر بلند ہونا مخلوق پر مخلوق کے بلند ہونے کی طرح ہے۔

رہی ان کی ان فاسد تاویلات کے ذریعے صریح آیتوں کو ان کے ظاہری معنی سے پھیرنے کی کوششیں جو ان کی حیرانی واضطراب کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ مثلاً استویٰ کی تفسیر استولی سے کرنا یا حرف جار 'علی' کو الیٰ کے معنی میں لینا، اور استویٰ کو قصد کے معنی میں لینا وغیرہ وغیرہ وہ تمام چیزیں جسے تجہم اور تعطیل کے علمبردار زاہد کوثری نے ان سے نقل کیا ہے یہ سب باطل کا سہارا لیکر فساد وہنگامہ برپا کرنے کے مترادف ہے اور حق کی اصلیت میں تغیر کرنا ہے۔ جو ان کے حق میں ذرا بھی سودمند نہیں۔

سمجھ میں نہیں آتا کہ اپنے اس طرز عمل سے یہ معطلہ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں، کیا یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آسمان میں کوئی ایسا رب ہی نہیں ہے جس کا قصد کیا جائے اور نہ ہی عرش کے اوپر ایسا کوئی الہ ہے جس کی عبادت کی جائے، تو پھر وہ آخر کہاں ہوگا؟

Www.IslamicBooks.Website

شاید وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تعلق سے لفظ ''این'' کے ذریعے سوال کرنے کے ہمارے موقف کا مذاق بھی اڑاتے ہوں گے۔لیکن وہ یہ بات بھول گئے کہ مخلوق میں سب سے کامل اور اپنے رب کے متعلق سب سے زیادہ جاننے والے شخص نے بھی اسی لفظ کے ذریعے سوال کیا تھا۔جیسا کہ حدیث میں ہے کہ آپ نے ایک لونڈی سے پوچھا ''أین اللہ'' اللہ کہاں ہے؟ اور جب اس نے یہ جواب دیا کہ ''آسمان میں ہے'' تو اس پر آپ نے رضامندی کا اظہار کیا۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اور شخص کو جواب دیا تھا جب کہ اس نے آپ سے سوال کیا کہ آسمان وزمین کی تخلیق سے قبل اللہ کہاں تھا؟ آپ نے فرمایا ''کان فی عماء''یعنی ....

آپ سے یہ بات نقل نہیں کی گئی کہ آپ نے اس شخص کو ڈانٹا ہو یا یہ کہا ہو کہ تم نے غلط سوال کیا ہے۔

ان میں سے ڈینگیں مارنے والوں کا اس باب میں زیادہ سے زیادہ یہی خیال ہے کہ اللہ موجود تھا پر اس کا کوئی مکان نہ تھا پھر مکان کی تخلیق کی لیکن وہ اب بھی اسی طرح ہے جیسے مکان کی تخلیق سے پہلے تھا۔

''اللہ تعالیٰ موجود تھا لیکن اس کا کوئی مکان نہ تھا'' تو مکان سے یہ بے عقل کون سا مکان مراد لیتے ہیں؟ کیا اس سے وہ لوگ یہ ظاہری اُمکنہ ومکانات مراد لیتے ہیں جن پر کائنات مشتمل ہے؟ یہ امکنہ ومقامات تو حادث وفنا ہونے والی ہیں۔اور ہم بھی اس بات کے قائل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا وجود ان حادث مکانات میں ہے کیونکہ اس کی مخلوق میں سے کوئی بھی شئ اس کی عظمت ووسعت کو پا نہیں سکتی۔

اور اگر اس مکان سے مکان عدمی مراد لیتے ہیں جو کہ صرف ایک خلا ہے اور جس میں کسی شئ کا وجود ہی نہیں ہے، تو اس پر یہ کہنا صادق ہی نہیں آئے گا کہ ''پہلے نہیں تھا پھر اس کی تخلیق ہوئی'' کیونکہ اس میں خلق کا تعلق ہی نہیں ہے یہ تو ایک عدمی معاملہ ہے

Www.IslamicBooks.Website

یعنی اس کا سرے سے وجود ہی نہیں ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے مکان کا ثبوت اس معنی میں ہے جس پر کتاب وسنت کے نصوص دلالت کرر ہے ہیں تو اس کے ماننے اور تسلیم کرنے میں کیا قباحت ہے؟

بلکہ اس تعلق سے سب سے صحیح بات یہ ہے کہ اس بات کا اقرار کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ موجود تھا اس سے پہلے کوئی چیز نہیں تھی پھر چھ دنوں میں آسمان وزمین کو پیدا کیا۔ اس کا عرش پانی پر تھا پھر عرش پر مستوی ہوا۔ آیت کریمہ ثم استویٰ علی العرش (پھر وہ عرش پر مستوی ہوا) میں 'ثم' کا لفظ ترتیب زمانی کے لئے ہے حرف عطف نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کے علو و بلند ہونے کا بیان

وقوله: ﴿یاعیسی انی متوفیک و رافعک الی﴾ (آل عمران: ۵۵)

﴿بل رفعه الله الیه﴾ (النساء: ۱۵۸)

﴿الیه یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعه﴾ (الفاطر: ۱۰)

﴿یاهامان ابن لی صرحاً لعلی أبلغ الأسباب. اسباب السمٰوات فأطلع الی اله موسیٰ وانی لأظنه کاذبا﴾ (المومن: ۳۶)

وقوله: ﴿ أأمنتم من فی السماء أن یخسف بکم الأرض فاذاهی تمور، أم أمنتم من فی السماء أن یرسل علیکم حاصبا فستعلمون کیف نذیر﴾ (الملک: ۱۶. ۱۷)

یہ تمام سابقہ آیات سے ثابت مضمون یعنی اللہ تعالیٰ کے مخلوق سے جدا اور الگ ہوکر عرش کے اوپر مرتفع اور بلند ہونے کی تائید کرتی ہیں اور ساتھ ہی اس مسئلے کے تعلق سے معطلہ کے حجود وانکار کی مذمت بھی کررہی ہیں۔ بلند و برتر ہے اللہ رب العزت ان کے ہر قسم کے قول سے۔

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور اپنے کلمہ عیسی بن مریمؑ کو خطاب کرکے فرمارہا ہے کہ میں تم کو موت دینے والا ہوں اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ نے یہ اس وقت کہا تھا جب یہودیوں نے انؑ کو قتل کرنے کی سازش رچی تھی۔ "اِلَـیَّ" میں ضمیر یاء متکلم سے بلا احتمال اللہ رب العزت مراد ہے، اس کی یہ تاویل کرنا کہ اس سے مراد "الی محل رحمتی یا الی مکان ملائکتی" کہ میں تمہیں اپنی محل رحمت یا اپنے فرشتوں کے مقام کی طرف بلند کروں گا وغیرہ وغیرہ، اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ بے معنی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

دوسری آیت میں یہودیوں کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے کہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کر دیا ہے، کہا گیا' بلکہ اللہ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے'۔ "بل رفعه الله اليه".

پہلی آیت میں مذکور لفظ ''متوفیک'' کو لیکر اختلاف ہے، بعض لوگ اس سے موت مراد لیتے ہیں جب کہ مفسرین کی اکثریت نے اس سے نیند مراد لیا ہے۔ یہ لفظ نیند کے معنی میں بھی مستعمل ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وهو الذی یتفکم باللیل ویعلم ماجرحتم بالنهار﴾

''وہی ہے جو رات کے وقت تم پر نیند طاری کرتا ہے اور دن کے وقت جو تم کرتے ہو اس کی خبر رکھتا ہے۔'' (الانعام:٦٠)

بعض حضرات کے خیال کے مطابق کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت یوں ہے ''انی رافعک و متوفیک ''یعنی اٹھانے کے بعد موت دوں گا۔ صحیح بات یہی ہے کہ عیسی علیہ السلام زندہ اٹھا لئے گئے ہیں قیامت کے قریب دوبارہ اتریں گے اس لئے کہ اس بارے میں صحیح احادیث مروی ہیں۔

سورۂ فاطر کی آیت میں بھی اسی بات کی صراحت ہو رہی ہے کہ بندوں کے اقوال و اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف چڑھتے ہیں، یعنی کراماً کاتبین فرشتے روزانہ نماز فجر اور عصر کے بعد ان اعمال و افعال کو لیکر آسمان کی طرف چڑھتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''پھر وہ فرشتے جنہوں نے تمہارے درمیان رہ کر رات گزاری ہے چڑھتے ہیں تو ان کا رب ان سے سوال کرتا ہے حالانکہ وہ ان سے بخوبی واقف ہے، ''کیف ترکتم عبادی؟'' یعنی میرے بندوں کو تم کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو؟...... تو وہ فرشتے جواب دیتے ہیں: اے ہمارے رب ہم ان کے پاس اس حال میں آئے کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے اور انہیں اس حال میں چھوڑا کہ وہ نماز پڑھ رہے تھے۔''

رہا فرعون کے قول کو نقل کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿یاهامان ابن لی

Www.IslamicBooks.Website

صرحاً لعلي أبلغ الأسباب. اسباب السمٰوات فأطلع الى اله موسیٰ وانی لأظنه كاذبا﴾ تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے سرکش فرعون کو اس بات کی خبر دی تھی کہ ان کا معبود آسمان میں ہے۔ چنانچہ وہ اپنی قوم کو فریب میں ڈالنے کی غرض سے وہاں پہونچنے کا ذریعہ تلاش کرنے لگا۔ اس کام کے لئے اس نے اپنے وزیر ہامان کو ایک عمارت بنانے کا حکم دیا۔ پھر اس کے بعد اس نے کہا کہ میں موسیٰ کو اس کی اس خبر میں کہ اس کا معبود آسمان میں ہے جھوٹا سمجھتا ہوں،۔ اور جب ایسا ہے تو پھر کون فرعون سے مشابہت رکھتا ہے اور کون اس کے موقف کے قریب ہے؟ ہم یا یہ معطلہ !......فرعون نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو اس خبر میں جھٹلا دیا تھا کہ ان کا معبود آسمان میں نہیں ہے، اور یہ ٹھیک وہی بات ہے جو یہ لوگ کہہ رہے ہیں۔

اس کے بعد سورۂ ملک کی دونوں آیتوں میں اس بات کی صراحت ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمان میں ہے۔ یہاں عذاب، امر، ملک مراد لینا جیسا کہ معطلہ کرر ہے ہیں کسی طرح درست نہیں کیونکہ یہاں لفظ "من" استفہامیہ ہے جو عاقل وعالم کے لئے موضوع ہے۔ اس کو ملک پر محمول کرنے سے لفظ کو کسی واضح قرینے کے بغیر اصل معنی سے ہٹا دینا لازم آتا ہے۔

اور "فی السماء" سے یہ سمجھنا کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے سراسر غلطی ہے۔ بلکہ اگر آسمان سے یہ معروف آسمان مراد لیا جائے تو اس صورت میں "فی" حرف "علی" کے معنی میں ہوگا۔ قرآن میں اس کی نظیر موجود ہے۔ ﴿ولأ صلبنكم فی جذوع النخل﴾ (طٰہٰ:۷۱) یعنی میں تمہیں کھجور کی شاخوں پر ضرور لٹکا دوں گا۔ اور اگر آسمان سے جہت علو مراد لی جائے تو اس صورت میں "فی" اپنے حقیقی معنی میں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ انتہائی بلندیوں میں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ کی معیت کی نوعیت

وقولہ:﴿هو الذی خلق السمٰوات والأرض فی ستة أيام ثم استوىٰ على العرش. يعلم مايلج فی الأرض ومايخرج منها ومايننزل من السماء ومايعرج فيها وهو معكم أينما كنتم. والله بماتعملون بصير﴾ (الحديد: ۴)

وقولہ:﴿ مايكون من نجوىٰ ثلاثة الا هو رابعهم ولاخمسة الا هو سادسهم ولاأدنىٰ من ذالک ولاأكثر الا هومعهم أينما كانوا ثم ينبئهم بما عملوا يوم القيامة ان الله بكل شئ عليم﴾ (المجادلة :۷)

﴿لاتحزن ان الله معنا﴾ (التوبة: ۴)

وقولہ:﴿ اننى معكما أسمع وأرى﴾ (طٰهٰ : ۲۶)

﴿ان الله مع الذين اتقوا والذين هم محسنون﴾ (النمل :۱۲۸)

﴿واصبروا ان الله مع الصابرين﴾ (الأنفال: ۴۶)

﴿كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله والله مع الصابرين﴾ (البقرة : ۲۴۹)

ان تمام آیتوں سے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ''معیت'' کا اثبات ہوتا ہے اور اس صفت ''معیت'' کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) معیت عامہ: یہ معیت ہمہ گیر ہے یعنی تمام مخلوقات پر حاوی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت وعلم وغلبہ واحاطہ کے اعتبار سے ہر شئ کے ساتھ ہے اس سے کوئی بھی شئ غائب نہیں اور نہ ہی کوئی شئ اسے عاجز کرسکتی ہے۔ پہلی آیت میں اسی معیت کا ذکر ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے متعلق یہ خبر دے رہا ہے کہ وہی تنہا ہے جس نے

Www.IslamicBooks.Website

آسمان وزمین کی تخلیق کی یعنی انہیں ایک اندازے اور ترتیب کے ساتھ چھ روز کی مدت میں پیدا کیا پھر اسکے بعد وہ بلند ہوا اور اپنی مخلوق کے معاملات کے انتظام وتدبیر کے لئے اپنے عرش پر مرتفع اور بلند ہوگیا۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے عرش کے اوپر اس طرح ہے کہ زیریں وبالائی کائنات کی کوئی بھی شئ اس سے دور یا غائب نہیں ہے۔ وہ تو جو کچھ بھی زمین میں داخل ہوتا ہے اور جو کچھ اس سے نکلتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے نازل ہوتا ہے اور جو کچھ بھی آسمان میں چڑھتا ہے سب کو جانتا ہے اور یہ ایک حقیقی امر ہے کہ جس کا علم اور جس کی قدرت ہر شئ پر محیط ہو تو وہ ہر شئ کے ساتھ ہی ہوگا۔ اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "وهو معكم أينما كنتم والله بماتعملون بصير" یعنی تم کہیں بھی رہو وہ تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ بھی کرتے ہو وہ خوب دیکھتا ہے۔ (الحدید:۴)

آیت کریمہ ﴿مايكون من نجوىٰ ثلا ثة الاهو رابعهم﴾ سے تمام اشیاء کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم واحاطے کی عمومیت وہمہ گیریت ثابت ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ سرگوشی کرنے والوں کی سرگوشیاں بھی اس سے مخفی نہیں ہیں۔ وہ تمام اشیاء کو دیکھتا بھی ہے اور ان سے پوری طرح واقف بھی۔ "ثلاثة" کی طرف نجویٰ کی اضافت۔ اضافت صفت الی موصوف کی قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یوں ہے "مايكون من ثلاثة نجوى" نجوی بمعنی متناجین۔

(۲) معیت خاصہ: رہیں اس کے بعد کی تمام آیات تو ان سے معیت خاصہ کا اثبات ہو رہا ہے اور یہ معیت اس کے رسول اور اولیاء کے ساتھ خاص ہے اس معیت کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد وتائید کرتا ہے اور اپنی محبت کے ساتھ ساتھ ان کو حق کے قبول کرنے کی توفیق والہام سے نوازتا ہے۔

چنانچہ آیت کریمہ ﴿لاتحزن ان الله معنا﴾ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو کی ترجمانی کر رہی ہے جب کہ دونوں غار میں چھپے ہوئے تھے، مشرکین نے جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں نکل پڑے تھے غار کے دہانے کو

Www.IslamicBooks.Website

گھیر لیا تھا، جب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ صورت حال دیکھی تو فرمایا: واللہ! اے اللہ کے رسول اگر ان میں سے کسی نے بھی اپنے پیر کی طرف دیکھ لیا تو ضرور ہمیں دیکھ لے گا۔ اس موقعہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی بات کہی تھی جسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان کیا ہے ﴿لاتحزن ان اللہ معنا﴾ "یعنی خوف مت کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ یہاں معیت سے مراد مدد و نصرت اور دشمن سے حفاظت کی معیت ہے۔

بعد کی آیت کریمہ ﴿اننی معکما أسمع و أریٰ﴾ کی توضیح کے سلسلے میں گفتگو گزر چکی ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو مخاطب کر کے فرما رہا ہے کہ تم دونوں فرعون کی پکڑ و گرفت سے ڈرو مت کیونکہ اللہ اپنی نصرت و تائید کے ساتھ تمہارے ہمراہ ہے۔

اور اسی طرح بقیہ تمام آیات میں اللہ رب العزت اپنے متقی بندوں کے ساتھ اپنی معیت کی خبر دے رہا ہے جو اس کے لازم کردہ اور منع کردہ امور کے اعتبار سے اپنے آپ پر کنٹرول کرتے ہوئے اللہ کے حدود کی پاسداری کرتے ہیں۔ نیز ان محسنین کے ساتھ بھی اپنی معیت کی اطلاع دے رہا ہے جو ہر شئ میں احسان کو لازم پکڑنے والے ہیں۔ واضح رہے کہ کسی بھی شئ کے اندر احسان اسی شئ کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ چنانچہ عبادت میں احسان کا مطلب ہے "أن تعبد اللہ کأنک تراہ وان لم تکن تراہ فانہ یراک" یعنی اللہ کی تم اس طرح عبادت کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو سکے تو اس بات کا تصور رکھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے جیسا کہ حدیث جبریل میں مذکور ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ ان صابرین کے ساتھ بھی اپنی معیت کی خبر دے رہا ہے جو مشقتوں کو برداشت کرتے ہوئے اجر و ثواب کی امید رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے حصول کے لئے اس کی اطاعت و فرمانبرداری پر استقامت و مداومت برتتے ہوئے اس کی معصیت سے بچتے ہوئے اور اس کی جانب سے نوشتۂ تقدیر پر صبر کرتے ہوئے اس کی راہ میں مشقتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت کلام کے باب میں اہل سنت کا موقف

وقوله: ﴿ومن أصدق من الله حديثاً﴾ (النساء :۸۷)

﴿ومن أصدق من الله قيلا﴾ (النساء : ۳۳)

﴿واذقال الله ياعيسى ابن مريم﴾ (المائدة : ۱۱۰)

﴿وتمت كلمة ربك صدقاً وعدلاً﴾ (الانعام : ۱۱۵)

وقوله: ﴿وكلم الله موسىٰ تكليماً﴾ (النساء: ۱۶۴)

﴿منهم من كلم الله﴾ (البقرة : ۲۵۳)

﴿ولماجاء موسىٰ لميقاتنا وكلمه ربه﴾ (الأعراف: ۱۴۳)

﴿وناديناه من جانب الطور الايمن وقربناه نجياً﴾(مريم: ۵۲)

وقوله: ﴿واذنادىٰ ربك موسىٰ أن ائت القوم الظالمين﴾(الشعراء: ۱۰)

﴿وناداهما ربهما ألم أنهكما عن تلكما الشجرة﴾(الاعراف: ۲۳)

وقوله: ﴿ويوم يناديهم فيقول ماذاأجبتم المرسلين﴾ (القصص: ۶۵)

یہ تمام آیتیں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت کلام کے اثبات پر مشتمل ہیں، یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں لوگوں کو بہت زیادہ اختلاف رہا ہے، چنانچہ بعض لوگ کلام کو اللہ کی ذات سے الگ اور منفصل مانتے ہیں، اوران کے مسلک کے مطابق اس کے متکلم ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خالق کلام ہے، یہ خیال معتزلہ کا ہے...... بعض کا خیال ہے کہ صفت کلام اللہ کی ذات کے ساتھ ازلی وابدی طور پر لازم ہے اسکی مشیت وقدرت کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے، نیز ان لوگوں نے کلام سے حروف اورآواز کی نفی کرتے ہوئے کہا کہ کلام ازل میں ایک معنیٰ کا نام ہے۔ یہ نظریہ اشاعرہ اور کلابیہ کا ہے۔

بعض حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ کلام اللہ کی ذات کے ساتھ لازم وقائم قدیم حروف واصوات کا نام ہے اوران کے خیال کے بموجب یہ قدیم حروف واصوات

Www.IslamicBooks.Website

ازل سے ہی مقترن اور ملے ہوئے ہیں جن کے ذریعے اللہ تعالیٰ یکے بعد دیگرے کلام نہیں کرتا۔ یہ موقف چند غلو پسند حضرات کا ہے۔

بعض حضرات نے صفت کلام کو حادث اللہ کی ذات کے ساتھ قائم اور اس کی مشیت وقدرت کے تابع تسلیم کیا ہے لیکن ان کا خیال یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل میں متکلم نہیں تھا بعد میں اس کی ذات کے اندر کلام کی ابتدا و شروعات ہوئی ہے، یہ کرامیہ کی طرز فکر ہے۔

اگر ان تمام اقوال کا مناقشہ کیا جائے تو بات بہت طویل ہو جائے گی، تاہم ان تمام اقوال ونظریات کی فساد و کمزوری ہر صاحب عقل وفہم پر واضح ہے۔

اس مسئلے کے تعلق سے اہل سنت والجماعت کے موقف کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہی جب سے چاہا متکلم رہا ہے اور کلام اس کی ایک صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اپنی اس صفت کے ذریعے اپنی مشیت اور اپنی قدرت کے مطابق کلام کرتا ہے چنانچہ اس نے جب سے چاہا ہمیشہ سے متکلم رہا اور ہمیشہ رہے گا نیز اس نے جو بھی کلام کیا ہے وہ اس کے ساتھ قائم ہے، اور اس کا کلام مخلوق اور اس کی ذات سے منفصل والگ نہیں ہے جیسا کہ معتزلی حضرات کا خیال ہے، اور نہ ہی اس کی ذات کے ساتھ اس طرح لازم ہے جیسے صفت حیاۃ لازم ہے جیسا کہ اشاعرہ کہتے ہیں بلکہ وہ اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے تابع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آواز سے پکارا، آدم وحواء کو بھی آواز سے پکارا اور قیامت کے روز اپنے بندوں کو آواز سے ہی ندا دے گا، وہ آواز سے بول کر وحی کرتا ہے۔ وہ حرف اور آواز جس کے ذریعے وہ کلام کرتا ہے اس کی ایک ایسی صفت ہے جو غیر مخلوق ہے، مخلوق کی آوازوں اور ان کے حروف کے مشابہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا علم بھی جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے اس کے بندوں کے علم کے مثل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ اپنی کسی صفت میں بھی مخلوق کی صفت کے مشابہ نہیں ہے۔

پہلی دو آیتیں جو کہ سورۂ نساء کی ہیں اس کی توضیح کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے

Www.IslamicBooks.Website

بڑھ کر کوئی اپنی بات میں اور اپنے قول میں سچا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اپنی تمام خبروں سے سب سے سچا اور صادق ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خبر دی ہوئی اشیاء وحقائق کے سلسلے میں اس کا علم جامع اور ہمہ گیر ہے، وہ اشیاء کی ماہیت سے بہر طور واقفیت رکھتا ہے، جب کہ اس کے سوا کسی اور کا علم ایسا نہیں ہے۔

آیت کریمہ ﴿واذقال اللہ یاعیسی ......﴾ میں قیامت کے دن اللہ کی جانب سے عیسیٰ علیہ السلام سے ہونے والے ایک سوال کی ترجمانی کی گئی ہے۔ عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ سوال انہیں اور ان کی والدہ کو معبود تسلیم کرنے والے نصاریٰ کی جانب سے ان کی طرف منسوب کردہ اس قول کے متعلق ہوگا کہ وہی ہیں جنہوں نے اللہ کو چھوڑ کر انہیں اور ان کی ماں کو معبود بنانے کا حکم دیا تھا۔ قیامت کے دن ان سے یہ سوال ان کی براءت کے اظہار اور بد بخت گمراہ لوگوں کے کذب و بہتان کو ثابت اور واضح کرنے کے لئے کیا جائے گا۔

آیت کریمہ ﴿وتمت کلمۃ ربک صدقاً وعدلاً﴾ سے مراد یہ ہے کہ آپ کے پروردگار کا کلام اخبار واطلاع کے اعتبار سے سچا اور اُحکام کے اعتبار سے برعدل ہے کیونکہ اللہ کا کلام یا تو اخبار واطلاع ہے جو کہ انتہائی سچائی پر مبنی ہے یا احکام یعنی امرونہی ہے جو کہ پورا کا پورا مبنی بر حکمت ورحمت ہونے کی وجہ سے عدل وانصاف کے اعلیٰ درجے پر ہے جس میں ذرا بھی جور وظلم کا امکان نہیں ہے...... یہاں ''کلمۃ'' سے مراد ''کلمات'' ہے کیوں کہ اس کی اضافت معرفہ کی طرف ہے، لفظ مفرد کی معرفہ کی طرف اضافت جمع کا فائدہ دیتی ہے۔ جیسے رحمۃ اللہ ونعمۃ اللہ

آیت کریمہ ﴿وکلم اللہ موسیٰ تکلیما﴾ اور اس کے بعد کی وہ تمام آیات جو اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ندا اور آواز دی اور اس سے کلام کیا اور ان سے حقیقی طور پر پردے کے پیچھے سے بغیر کسی فرشتے کے واسطے کے گفتگو کی ہے۔ یہ آیات اشاعرہ کے نقطۂ نظر کی تردید کر رہی ہیں جو کہ صفت کلام کو بلا

Www.IslamicBooks.Website

حرف وآواز کے ایک معنی ثابت کرتے ہیں جو کہ نفس کے ساتھ قائم ہے۔ چنانچہ ان سے یہ سوال کیا جائے کہ ''موسیٰ علیہ السلام نے بلا حرف وآواز کے نفسی کلام کو کیسے سن لیا؟'' اگر ان کا جواب یہ ہو کہ ''اللہ تعالیٰ نے جو کچھ کلام کرنا چاہا ان کے معانی کے علم کو ان کے دل میں ڈال دیا۔'' تو یہاں اس سلسلے میں موسیٰ علی السلام کی کوئی خصوصیت نہیں رہ جاتی۔ اور اگر یہ جواب دیں کہ ''اللہ تعالیٰ نے کلام کو درخت یا ہوا میں پیدا کر دیا'' تو اس صورت میں یہ بات لازم آتی ہے کہ درخت ہی نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ''انی أنا ربک''، یعنی میں ہی تمہارا رب ہوں۔

مزید یہ کہ یہ آیات ان کے اس خیال کو بھی غلط ثابت کر رہی ہیں کہ ''کلام ازل میں ایک ایسے معنیٰ کا نام ہے جس کے ذریعے اللہ کی ذات میں کسی شئ کا ظہور وحدوث نہیں ہوتا'' چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا و کلمه ربه﴾ یعنی جب موسیٰ ہمارے وقت موعود پر آ گئے اور ان سے ان کا رب ہم کلام ہوا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے متعین وقت پر آ گئے تو اللہ کی جانب سے کلام صادر ہوا۔ اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتا ہے ﴿ونادینا ہ من جانب الطور الأیمن﴾ (مریم:۵۲) ''ہم نے انہیں طور کی داہنی جانب سے آواز دی'' اس آیت سے کوہ طور کی داہنی جانب آواز کا حدوث معلوم ہوا۔ اور ندا اسی آواز کو کہتے ہیں جو سنی جا سکے۔ اسی طرح آدم وحوا کے متعلق اللہ کا قول ﴿وناداھما ربھما﴾ ''ان دونوں کے رب نے انہیں ندا دی'' یہ ندا ان دونوں سے خطا سرزد ہونے کے بعد ہی صادر ہوئی جن سے قطعی طور پر حدوث ثابت ہوتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿ویوم ینادیھم فیقول ماذا أجبتم المرسلین﴾ ''اور جس دن اللہ ان سے پکار کر پوچھے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا'' چنانچہ اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہ ندا اور یہ قول قیامت کے دن ہوگا۔

حدیث میں ہے: ''اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ہر بندے سے اس حال میں سوال کرے گا کہ اس کے اور اللہ کے درمیان کوئی ترجمان نہ ہوگا۔''

Www.IslamicBooks.Website

قرآن کلام الٰہی ہے

﴿وان أحد من المشركين استجارك فأجره حتىٰ يسمع كلام الله﴾ (التوبة : ٦)

﴿وقد كان فريق منهم يسمعون كلام الله ثم يحرفونه من بعد ماعقلوه وهم يعلمون﴾ (البقرة : ٧٦)

﴿يريدون أن يبدلوا كلام الله. قل لن تتبعونا كذٰلكم قال الله من قبل﴾ (الفتح : ١٥)

﴿واتل ماأوحى اليك من كتاب ربك لامبدل لكلماته﴾ (الكهف : ٢٧)

وقوله: ﴿ان هٰذا القرآن يقص على بنى اسرائيل أكثر الذى هم فيه يختلفون﴾ (النمل : ٧٦)

﴿وهٰذا كتاب أنزلناه مبارك﴾ (الأنعام : ١٥٥)

﴿لو أنزلنا هٰذا القرآن على جبل لرأيتهٗ خاشعا متصدعاً من خشية الله﴾ (الحشر : ٢١)

﴿واذا بدلنا آية مكان آية والله أعلم بماينزل قالوا انما أنت مفتر بل أكثرهم لايعلمون﴾ (النمل : ١٠١)

﴿قل نزله روح القدس من ربك بالحق ليثبت الذين آمنوا وهدى وبشرىٰ للمسلين. ولقد نعلم أنهم يقولون انما يعلمه بشر. لسان الذى يلحدون اليه أعجميٌّ وهٰذا لسان عربيٌّ مبين﴾ (النمل : ١٠٢، ١٠٣)

یہ تمام آیات اس بات کی صراحت کر رہی ہیں کہ قرآن جس کی تلاوت کی جاتی

Www.IslamicBooks.Website

ہے جسے سنا جاتا ہے اور جو مصحف کے دو جلدوں کے مابین مکتوب ہے اللہ تعالیٰ کا حقیقی کلام ہے صرف اللہ کے کلام کی حکایت یا اس کی تعبیر نہیں ہے جیسا کہ اشعری حضرات کا خیال ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف کلام کی اضافت کرتے ہوئے کلام اللہ کہنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ اس کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ یہ اضافت ''بیت'' یا ''ناقۃ'' کی اضافت کی طرح نہیں، کیوں کہ اس میں ذات کی اضافت ایک معنوی شئ کی طرف ہے اس قسم کی اضافت اس مفہوم کے لئے ہوتی ہے کہ وہ معنیٰ اس ذات کے لئے لازم وثابت ہے، برخلاف 'بیت' اور 'ناقۃ' کی اضافت کے۔ کیونکہ یہ اضافت اعیان ہے۔ اس وضاحت سے معتزلہ کے اس خیال کی نفی ہو جارہی ہے کہ ''کلام مخلوق ہے اور اللہ کی ذات سے الگ شئ ہے۔''

یہ تمام آیات اس بات پر بھی دلالت کر رہی ہیں کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ کلام ہے یعنی اس نے اس کے ذریعے ایک آواز سے کلام کیا جسے جبرئیل علیہ السلام نے سنا، پھر وہ اسے لیکر نازل ہوئے اور بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچادیا جیسے اللہ تعالیٰ سے سن کر اخذ کیا تھا۔

خلاصۂ کلام یہ کہ قرآن عربی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو نازل کیا ہوا ہے اور غیر مخلوق ہے۔ اسی سے ظاہر ہوا اور اسی کی طرف لوٹ جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے حقیقی طور پر اس کے ذریعے کلام کیا چنانچہ وہ اسی کا حقیقی کلام ہے کسی غیر کا کلام نہیں ہے۔ جب لوگ قرآن کو پڑھتے ہیں یا اسے مصاحف میں لکھتے ہیں تب بھی وہ اللہ کا کلام ہی ہوتا ہے وہ کلام اللہ ہونے سے خارج نہیں ہوتا۔ کیونکہ کلام کی حقیقی اضافت اسی شخص کی جانب ہوتی ہے جس نے ابتداءاً اسے کہا ہو، نہ کہ اس شخص کی جانب جس نے اسے پہونچایا ہو، اللہ تعالیٰ نے اس کے حروف اور اس کے معانی کو اپنے ذاتی الفاظ سے ادا کیا ہے اس میں ذرا بھی کسی اور کے کلام کی آمیزش نہیں ہے نہ تو جبرئیل کے کلام کی نہ محمد ﷺ کے کلام کی اور نہ کسی اور کے کلام کی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی ذاتی آواز سے ادا کیا ہے۔ لیکن جب بندے

Www.IslamicBooks.Website

اسے پڑھتے ہیں تو وہ اپنی آواز سے پڑھتے ہیں، مثال کے طور پر جب قاری تلاوت کرتے ہوئے پڑھتا ہے: ﴿الحمدللہ رب العالمین﴾ تو اس سے سنا جانے والا کلام اللہ کا کلام ہے اس کا اپنا نہیں ہاں وہ پڑھتا ہے تو اسے اپنی آواز میں پڑھتا ہے اللہ کی آواز کے ساتھ نہیں۔ اور جس طرح یہ اللہ کا کلام ہے اسی طرح اس کی کتاب بھی ہے کیونکہ اس نے اسے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے اور مصاحف میں بھی مکتوب ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿انہ لقرآن کریم فی کتاب مکنون﴾ ''بے شک یہ معزز قرآن ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے'' (الواقعۃ: ۷۷۔۷۸)

مزید فرمایا: ﴿بل ھو قرآن مجید. فی لوح محفوظ﴾ ''بلکہ یہ بڑی عظمت والا قرآن ہے، لوح محفوظ میں مکتوب ہے'' (البروج: ۳۱۔۳۲)

مزید فرمایا: ﴿فی صحف مکرمۃ. مرفوعۃ مطھرۃ. بأیدی سفرۃ کرام بررۃ﴾ ''وہ عزت صحیفوں میں لکھا ہے، وہ صحیفے بلند مقام اور پاکیزہ ہیں وہ ایسے لکھنے والے فرشتوں کے ہاتھوں میں ہیں جو معزز اور نیک ہیں'' (عبس: ۱۳۔۱۶)

''القرآن'' اصل میں لفظ ''القراءۃ'' کی طرح ایک مصدر ہے جیسا کہ ارشاد ہے: ﴿ان قرآن الفجر کان مشھودا﴾ یہاں لفظ ''القرآن'' علم ہے اللہ کی جانب سے اس منزل کلام کا جو کہ مصحف کی دو جلدوں کے مابین مکتوب ہے جس کی تلاوت کر کے عبادت کی جاتی ہے اور جس کی سب سے چھوٹی سورہ کے ذریعے چیلنج کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان: ﴿قل نزل روح القدس من ربک بالحق﴾ اس بات کی طرف اشارہ کر رہا ہے کہ اس کے نزول کی ابتداء اللہ کی جانب سے ہوئی اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے بالکل اسی طرح حاصل کیا جس طرح کہ اس نے انہیں سکھایا۔

Www.IslamicBooks.Website

رؤیت باری تعالیٰ کا اثبات اور منکرین کا رد

وقوله :﴿ووجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة﴾

﴿على الأرائک ينظرون﴾

﴿للذين أحسنوا الحسنىٰ وزيادة﴾

وقوله:﴿ لهم مايشاء ون فيها ولدينا مزيد﴾

وهٰذاالباب في كتاب الله كثير. من تدبر القرآن طالبا للهدى منه تبين له طريق الحق.

ان آیتوں سے مومنین کے حق میں قیامت کے روز دیدار الٰہی کا اثبات ہوتا ہے۔ مومن لوگ جنت کے اندر اللہ کے دیدار سے مشرف ہوں گے۔

معتزلہ نے اپنے اس موقف کو بنیاد بنا کر کہ اللہ تعالیٰ کے لئے کوئی سمت و جہت ثابت نہیں اس کی رویت کا بھی انکار کر دیا ہے، کیونکہ شی مرئی کے لئے لازم ہے کہ وہ دیکھنے والے کی کسی جہت و سمت میں ہو اور اللہ کے لئے کوئی مکانی جہت ممکن نہیں جب کہ یہ رویت کے لئے لازمی شرط ہے۔ چنانچہ اللہ کی رویت بھی ناممکن ہے۔ اپنے اس موقف کی تائید میں بطور استدلال ایک نقل بھی پیش کرتے ہیں ﴿لاتدركه الأبصار﴾ ''نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں'' (الانعام:۱۰۳)

نیز اللہ تعالیٰ کے اس قول سے بھی دلیل پکڑتے ہیں جو کہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا جب کہ انہوں نے اس کے دیکھنے کی خواہش کی تھی......﴿لن ترانی ولكن أنظر الى الجبل فان استقر مكانهٗ فسوف ترانی﴾ ''تم مجھے نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھو اگر یہ اپنی جگہ باقی رہ جائے تو تم مجھے دیکھ لو گے''۔

(الاعراف:۱۴۳)

جب کہ اشعری حضرات معتزلہ کی طرح اللہ کے لئے سمت و جہت کے انکار کے

Www.IslamicBooks.Website

باوجود رؤیت کو ثابت کرتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ اس رویت کی تفسیر کو لیکر بہت حیران وپریشان نظر آتے ہیں۔ان میں سے بعض کا خیال ہے کہ مومنین اسے تمام سمتوں سے دیکھیں گے اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ رؤیت کا تعلق بصیرت سے ہے بصارت سے نہیں اس سلسلے میں مزید کہتے ہیں کہ ''انکشاف وتجلی میں اس قدر اضافہ ہوگا کہ یوں محسوس ہوگا کہ حقیقی آنکھ سے دیکھ رہے ہوں۔''

مؤلف نے یہ تمام آیات منکرین رویت معتزلیوں کے موقف کی تردید میں پیش کی ہیں۔پہلی آیت میں نظر کا صلہ 'الیٰ' ہے جس کا مطلب ہے آنکھ سے دیکھنا۔کہتے ہیں ''نظرت الیه وأبصرته'' اورآیت میں نظر کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔

رہا معتزلی حضرات آیت کریمہ ''الیٰ ربها ناظرة'' کے سلسلے میں یہ تکلف کہ وہ ''ناظرة'' کو ''منتظرة'' اور حرف ''الیٰ'' کو نعمت کے معنی میں لیتے ہیں،اوراس کی تقدیر یوں بیان کرتے ہیں ''ثواب ربهامنتظرة'' یعنی اس کے رب کے ثواب کا انتظار کیا جاتا ہے۔یہ تو ایک مضحکہ خیز تفسیر ہے!

دوسری آیت سے اس بات کا علم ہورہا ہے کہ اہل جنت اپنے تختوں پر بیٹھے ہوئے اپنے رب کو دیکھ رہے ہوں گے۔

آخر کی دو آیتوں میں مذکورہ لفظ ''الزیادة'' کی تفسیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح حدیث میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کی طرف دیکھنے سے کی گئی ہے۔اس کی مزید تائید اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو کافروں کے بارے میں ہے: ﴿كلا انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون﴾ ''ہرگز نہیں وہ لوگ اپنے رب کی دید سے اس دن روک دیئے جائیں گے۔'' (المطففین:١٥)

کفار اللہ کو نہ دیکھ سکیں گے اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کے نیک بندے اسے دیکھیں گے۔محدثین کے نزدیک اس معنی میں رویت پر دلالت کرنے والی بہت سی متواتر حدیثیں وارد ہیں ان کا انکار وہی کرسکتا ہے جو ملحد وزندیق ہوگا۔

Www.IslamicBooks.Website

عدم رؤیت کے سلسلے میں رہی معتزلہ کی پہلی دلیل ﴿لاتدرکه الأبصار﴾ تو اس آیت میں ان کے لئے کوئی دلیل ہی نہیں کیونکہ ادراک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ بلکہ آیت کا مقصود یہ ہے کہ نگاہیں اسے دیکھیں گی لیکن باعتبار رویت اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں، جیسا کہ عقلیں اس کو جانتی ہیں لیکن باعتبار علم اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں کیوں کہ ادراک نام ہے اس رؤیت کا جو مکمل استیعاب واحاطے کے ساتھ ہو، اور یہ ایک خاص قسم کی رویت ہے، خاص رؤیت کی نفی سے عام رویت کی نفی لازم نہیں آتی۔ اسی طرح عدم رویت کے سلسلے میں ان کی دوسری دلیل "لن ترانی" بھی ان کے موقف کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ یہ آیت تو مختلف ناحیوں سے اثبات رویت کی دلیل بن رہی ہے: مثلاً

۱......رؤیت کا سوال موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہوا ہے جو کہ اللہ کے رسول اور اس کے کلیم ہیں، اللہ کے بارے میں کیا چیز محال یا ناممکن ہے معتزلہ کے مقابلے میں وہ زیادہ علم رکھتے تھے، اگر رویت ممتنع ومحال ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال ہی نہ کرتے۔

۲......اللہ تعالیٰ نے اپنی رویت کو بحالت تجلی استقرار جبل پر معلق کیا اور یہ ممکن امر ہے، اور ممکن پر معلق چیز ممکن ہوگی۔

۳......اللہ تعالیٰ نے عملی طور پر جب ایک پہاڑ پر اپنی تجلی ظاہر کردی جو کہ ایک جماد ہے تو اس کے محبوب اور مخلص بندوں پر اس کی تجلی ورویت کیسے ناممکن ہوسکتی ہے۔

جہاں تک معتزلہ کے اس قول وخیال کا تعلق ہے کہ "لن ترانی" میں "لن" نفی تاکید کے لئے موضوع ہے جو کہ عدم وقوع رؤیت پر دلالت کرتا ہے تو ان کا یہ خیال لغت کے سلسلے میں ایک بڑا جھوٹ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے بارے میں کہا:

﴿ولن يتمنوه أبدا﴾ "اور وہ لوگ اس (موت) کی تمنا کبھی بھی نہ کریں گے۔" (البقرة:۹۵)

پھر انہیں کے بارے میں یہ فرمایا کہ:

Www.IslamicBooks.Website

﴿ونادوا یا مالک لیقض علینا ربک﴾ ”اور وہ پکاریں گے اے مالک! تیرا رب ہمیں ختم کردے۔“ (الزخرف:۷۷)

چنانچہ پہلے تو حرف ”لن“ کے ذریعے اس بات کی خبر دی کہ وہ لوگ موت کی تمنا نہیں کریں گے پھر دوسری آیت میں ان کے موت کی تمنا و خواہش کرنے کی خبر دی جب کہ وہ جہنم میں ہونگے۔

”لن ترانی“ کا مفہوم یہ ہے کہ تم مجھے دنیا میں دیکھ نہیں سکتے کیوں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کے لئے انسان کی آنکھیں کمزور ہیں، اگر اس کی رؤیت بذات خود ممتنع اور ناممکن ہوتی تو اللہ تعالیٰ یہ کہتا:

”انی لاأریٰ“ کہ مجھے دیکھا نہیں جا سکتا، یا ”لایجوز رؤیتی“ کہ مجھے دیکھنا جائز نہیں، یا ”لست بمرئی“ کہ میں مرئی نہیں ہوں، وغیرہ وغیرہ۔

Www.IslamicBooks.Website

آیاتِ صفات کے سلسلے میں عام مباحث

مؤلفؒ کی بیان کردہ آیاتِ صفات میں غور وفکر کرنے والے ان میں سے چند ایسے اہم اصول اخذ کر سکتے ہیں جنہیں صفات کے باب میں مدنظر رکھنا ضروری ہے۔

اصول اول: سلف اس بات پر متفق ہیں کہ تمام اسمائے حسنٰی، ان سے ثابت ہونے والی صفات اوران صفات کے نتیجے میں صادر شدہ افعال پر ایمان لانا واجب ہے، اس کی مثال سمجھنے کے لئے " القدرۃ " کو لے لیجئے، اس بات پر ایمان لانا واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، اس کے کمال قدرت پر ایمان نیز اس بات پر بھی ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے کہ پوری کائنات اسی کے قدرت کے نتیجے میں پیدا ہوئی ہے، اسی طرح اسی طرز و اصول پر بقیہ تمام اسمائے حسنٰی۔

اسی اصول کی بنیاد پر مصنفؒ کی بیان کردہ جن آیات میں اسمائے حسنٰی کا ذکر ہے تو وہ ایمان بالاسم میں داخل ہیں، اور جن میں صفات کا ذکر ہے مثلاً اللہ کی عزت وقدرت اس کے علم وحکمت اور ارادہ ومشیت کا تذکرہ ہے تو وہ "ایمان بالصفات" میں داخل ہیں اور جن آیات میں مقید یا مطلق افعال کا ذکر ہے۔ مثلاً: یعلم کذا ویحکم مایرید، یریٰ ویسمع، ینادی ویناجی، کلم ویکلم وغیرہ تو یہ تمام "ایمان بالافعال" میں داخل ہیں۔

اصول دوم: یہ تمام قرآنی نصوص اس بات کی وضاحت کر رہی ہیں کہ صفات الٰہیہ کی دو قسمیں ہیں:

(۱) صفات ذاتی:...... ان صفات سے اللہ کی ذات الگ نہیں، بلکہ ازلی وابدی طور سے اس کی ذات سے وابستہ ہیں ان سے اللہ کی مشیت وقدرت کا تعلق نہیں ہے، صفات ذاتیہ میں سے چند یہ ہیں: حیات، علم، قدرت، عزت، ملک، عظمت وکبریائی اور مجد وجلال وغیرہ۔

Www.IslamicBooks.Website

(۲) صفات فعلی:...... یہ تمام صفات ہر وقت و ہر آن اللہ کی مشیت وقدرت سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے مطابق فعل سے تعلق رکھنے والی ہر صفت کے اندر حدوث واقع ہوتا ہے اگر چہ کہ وہ ان صفات سے ازلی طور پر متصف ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ اس کی نوع قدیم ہے اور اس کے افراد حادث ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ ازل سے ہی ''فعال لما یرید'' یعنی جو چاہے کرنے والا ہے۔ نیز وہ ہمیشہ سے ہی گفتگو کرنے والا، کلام کرنے والا، تخلیق کرنے والا اور معاملات کا انتظام کرنے والا رہا ہے اور ہمیشہ ان افعال کو انجام دیتا رہے گا۔ اس کے افعال اس کی حکمت وارادے کے تابع ہوکر مسلسل وقوع پذیر ہیں، چنانچہ ایک مومن پر یہ واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے متعلق جو افعال بھی اپنی طرف منسوب کیا ہے ان تمام پر ایمان لائے۔ مثلاً استواعلی العرش، اتیان ومجی، آسمان دنیا کی طرف نزول، ضحک، رضا، غضب، کراہیت اور محبت وغیرہ۔ نیز افعال پر بھی جو اس کی مخلوقات سے متعلق ہیں۔ مثلاً خلق، رزق، زندہ کرنا، موت دینا اور انتظام وتدبیر کی مختلف قسمیں۔

اصول سوم: ہر کمالی صفت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے تفرد اور اس کی انفرادیت ثابت کرنا اور اس حقیقت کا اثبات کہ ان صفات میں اس کا کوئی شریک یا مثیل نہیں ہے، سابقہ آیات میں صرف اسی کے لئے اعلی مثالوں کا اثبات نیز ند، مثل، کفو، مسمی اور اس کے ساتھ کسی کے شریک ہونے کی نفی کے سلسلے میں جو کچھ بھی وارد ہوا ہے اسی اصول کی طرف اشارہ کرتا ہے، ساتھ ہی ساتھ اس امر کی شہادت بھی ملتی ہے کہ وہ ہر قسم کے نقص وعیب اور آفت سے منزہ اور پاک ہے۔

اصول چہارم: ہر اس صفت کا اثبات جو کتاب وسنت میں وارد ہوئی ہے۔ خواہ وہ صفات ذاتی ہوں مثلاً: علم، قدرت، ارادہ، حیات، سمع وبصر وغیرہ۔ یا فعلی مثلاً: رضا، محبت، غضب اور کراہت ان کے مابین کسی قسم کی تفریق یا فرق نہیں کیا جاسکتا۔

Www.IslamicBooks.Website

نیز وجہ (چہرہ) یدین (دوہاتھ) کے اثبات اور استواء علی العرش ونزول کے مابین کسی قسم کی تفریق نہیں۔ ان تمام صفات کا تعلق ان امور سے ہے جن کے بلا تاویل و تعطیل اور بلا تشبیہ و تمثیل اثبات پر سلف متفق ہیں۔ دو فریق ان اصولوں وقوانین کے مخالف ہیں:

(۱) جہمیہ: یہ لوگ تمام کے تمام اسماء وصفات کے منکر ہیں۔

(۲) معتزلہ: یہ لوگ تمام صفات کی نفی کرتے ہیں اور اسماء واحکام کو ثابت کرتے ہیں چنانچہ ان کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ علیم ہے مگر بلا علم کے، قدیر ہے لیکن بغیر قدرت کے، حی یعنی زندہ ہے لیکن بغیر حیات کے، یہ خیال انتہائی فاسد ہے کیونکہ بغیر کسی صفت کے موصوف کا اثبات، اور معنی وصفی کے لئے موضوع شئ کو ذاتِ مجرد کے لئے ثابت کرنا عقل میں آنے والی بات نہیں۔ اور ساتھ ہی شریعت کی نظر بھی باطل ہے۔

اشعری حضرات اور ان کے متبعین صرف سات صفات کو ثابت کرنے میں اہل سنت کے ساتھ ہیں، اور ان سات صفات کو صفات معانی سے موسوم کرتے ہیں جنہیں عقلی طور پر ثابت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ وہ صفات یہ ہیں:

حیات، علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

لیکن ان سات صفات کے علاوہ ان تمام صفات کا انکار کر کے جو کتاب وسنت سے ثابت ہیں معتزلہ کے ساتھ ہو گئے ہیں۔

مختلف نقطۂ نظر کے حامل تمام فریق اپنے موقف کے اثبات کے لئے کتاب وسنت، اجماع صحابہ اور قرون منصلہ سے دلیل لیتے ہیں۔

سنت نبوی سے اسماء وصفات کا اثبات

ثم فی سنة رسول الله صلی الله علیه وسلم. فالسنة تفسیر القرآن تبینه وتدل علیه وتعبر عنه، وماوصف الرسول به ربه عزوجل من الأحادیث الصحاح التی تلقاها أهل المعرفة بالقبول وجب الایمان بها کذالک.

مصنف کا قول ﴿ثم فی سنة رسول الله ......الخ﴾ گزشتہ عبارت ﴿وقد دخل فی هٰذه الجملة ماوصف الله به نفسه فی سورة الاخلاص ......الخ﴾ پر عطف ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ جملہ ایمانیاتی امور میں سنت صحیحہ سے ثابت شدہ وہ تمام صفات بھی داخل ہیں جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو متصف بتایا ہے۔

سنت: یہ کتاب اللہ کے بعد شریعت کا دوسرا ماٰخذ ہے جس کی طرف رجوع کرنا اور جس پر اعتماد کرنا واجب اور ضروری ہے۔ قرآن میں ہے:

﴿وأنزل الله علیک الکتاب والحکمة﴾ ''اور اللہ نے تم پر (اے نبی) کتاب وحکمت اتاری ہے۔'' (النساء:۱۱۳) حکمت سے مراد سنت ہے۔ دوسری جگہ ہے:

﴿ویعلمهم الکتاب والحکمة﴾ ''اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔'' (آل عمران:۱۶۴) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو حکم دیتے ہوئے فرمایا:

﴿واذکرن مایتلیٰ فی بیوتکن من آیات الله والحکمة﴾ ''اور تمہارے گھروں میں جن آیتوں اور حکمت کی تلاوت کی جاتی ہے انہیں یاد رکھو۔''

(الاحزاب:۳۴)

﴿وما آتاکم الرسول فخذوه ومانهاکم عنه فانتهوا﴾ (الحشر:۷)

''اور رسول تمہیں جو کچھ دیں اسے لے لو، اور جس چیز سے منع کریں اس سے رک جاؤ''

Www.IslamicBooks.Website

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے: "الا انی أوتیت القرآن ومثلہ معہ" مجھے قرآن کریم اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز عنایت کی گئی ہے۔

سنت کا حکم: علم ویقین، اعتقاد وعمل کے ثبوت کے اعتبار سے اس کا حکم قرآن کے حکم کی طرح ہے۔ کیونکہ سنت قرآن کی توضیح ہے۔ اسکے ذریعے اس کے مراد کی وضاحت، اس کے اجمال کی تفصیل، مطلق کی تقیید اور اس کے عموم کی تخصیص ہوتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وأنزلنا الیک الذکر لتبین للناس مانزل الیھم﴾. (النحل: ۴۴)

"اور ہم نے آپ کی طرف ذکر نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے لئے ان احکامات کو واضح کر دیں جو ان کی طرف (قرآن کی شکل میں) نازل کئے گئے۔"

سنت صحیحہ کے مقابلہ میں اہل بدعت کے دو فریق ہیں:

ا...... پہلا فریق وہ ہے جو احادیث کے رد اور اس کے انکار کرنے میں احتراز نہیں برتتا، جب بھی کوئی حدیث اس کے مذہب ومسلک کے خلاف جاتی ہے تو اپنے اس دعوے کی بنیاد پر کہ "یہ خبر واحد ہے جو صرف ظن کا فائدہ دیتی ہے" اسے رد کر دیتا ہے، البتہ صرف اعتقاد کے باب میں خبر واحد ان کے مسلک کے مطابق یقین کا فائدہ دیتی ہے، اس خیال کے لوگ معتزلہ اور فلاسفہ ہیں۔

۲...... دوسرا فریق وہ ہے جو احادیث کو تسلیم کرتا ہے اور صحت نقل پر اعتقاد رکھتا ہے لیکن ان کی اسی طرح تاویل کرتا ہے جس طرح قرآنی آیات کی تاویل کر کے انہیں اس کے ظاہری مفہوم سے پھیر کر اس میں الحاد وتحریف کے ذریعے اپنے من موافق مفہوم مراد لیتا ہے۔ ایسا کرنے والے اشاعرہ کے متاخرین ہیں، اس سلسلے میں غزالی اور رازی تو ان میں سب سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

مصنفؒ کا قول وما وصف الرسول بہ ربہ عزوجل...... الخ کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح ہر اس صفت پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کے اندر بیان کیا ہے، بغیر

Www.IslamicBooks.Website

کسی تحریف و تعطیل اور بغیر کسی تکییف و تمثیل کے ایمان لانا واجب ہے بالکل ویسے ہی اس کی ہر اس صفت پر بھی ایمان رکھنا واجب اور ضروری ہے جسے اپنے رب کے بارے میں اور اس کی واجبی صفات کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے شخص نے ثابت کیا ہے، اور وہ شخص ہے اس کا صادق و مصدوق رسول صلی اللہ علیہ وسلم۔

مصنف ؒ "کذالک" کے لفظ سے یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ احادیث سے ثابت شدہ صفات پر بالکل ایسے ہی ایمان رکھا جائے جیسے قرآن سے ثابت شدہ صفات پر ایمان لانا واجب ہے۔ یعنی تحریف و تعطیل اور تکییف و تمثیل سے بچتے ہوئے۔ بلکہ ان پر اس طریقے سے ایمان رکھا جائے جو اللہ رب العزت کی عظمت کے مناسب ہو۔

Www.IslamicBooks.Website

سماءِ دنیا پر باری تعالیٰ کا نزول

فمن ذلک مثل قوله صلی اللّٰہ علیه وسلم: "ینزل ربنا الی السماء الدنیا کل لیلة حین یبقیٰ ثلث اللیل الآخر، فیقول: من یدعونی فأستجیب له؟ من یسألنی فأعطیه؟ من یستغفرنی فأغفر له" متفق علیه.

اس حدیث پر گفتگو کے دو پہلو ہیں:

۱...... باعتبار نقل اس حدیث کی صحت پر گفتگو: مؤلفؒ نے یہاں یہ بات ذکر کیا کہ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ذھبی نے اپنی کتاب "العلو للعلی الغفار" میں فرماتے ہیں کہ:

"باری تعالیٰ کے سماءِ دنیا پر نزول کے سلسلے میں مروی احادیث متواتر اور قطعی الثبوت ہیں، بنابریں انکار وجود کی کوئی گنجائش نہیں ہے"

۲...... گفتگو باعتبار مفہوم حدیث: اس حدیث میں آپ نے یہ خبر دی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر رات جب رات کا آخری ایک تہائی حصہ رہ جاتا ہے تو آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نزول اللہ تعالیٰ کی ایک ایسی صفت ہے جو اس کے جلال اور اس کی عظمت کے شایان شان ہے۔ چنانچہ جس طرح اس کا استواء کسی مخلوق کے استوی کے مماثل نہیں اسی طرح اس کا نزول بھی مخلوقات کے نزول کے مشابہ نہیں ہے۔

سورۂ اخلاص کی تفسیر میں شیخ الاسلامؒ فرماتے ہیں:

"نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اللہ تعالیٰ کے متعلق یہ واضح کر دیا کہ وہ ہر رات آسمان دنیا پر نزول فرماتا ہے۔ عرفہ کی شام حجاج کے قریب ہوتا ہے، اس نے درخت کے ایک مبارک حصے سے موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا، وہ آسمان کی طرف بلند ہوا اس حال میں کہ آسمان مثل دھویں کے تھا، پھر اس نے آسمان و زمین دونوں کو حکم دیا کہ "تم دونوں طوعاً و کرھاً چلے آؤ" ان تمام امور کو تسلیم کرنے

Www.IslamicBooks.Website

سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ ان افعال کا تعلق انہیں ظاہری اشیاء سے
ہو جن کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں، حتی کہ یہ سمجھا جائے کہ اس سے ایک
مقام کے خالی کرنے اور دوسرے کے بھرنے کی بات لازم آتی ہے"۔

اہل سنت والجماعت صفت نزول پر ایمان رکھتے ہوئے اسے اللہ کی حقیقی صفت تسلیم کرتے ہیں، ایک ایسی صفت جس کی کیفیت اس کی منشاء کے مطابق ہوگی۔ چنانچہ صفت نزول کو ایسے ہی ثابت مانتے ہیں جیسے کہ ان تمام صفات کو جن کا ذکر کتاب وسنت میں موجود ہے۔ اور یہ لوگ اپنے اسی موقف پر قائم اور ثابت قدم بھی ہیں نہ تو اس صفت کی کیفیت متعین کرتے ہیں اور نہ ہی مثال اور نہ ہی اس کی نفی کرتے ہیں اور نہ تعطیل، اپنے موقف کا اظہار ان لفظوں میں کرتے ہیں کہ ہمارے رسول نے اللہ کے متعلق یہ خبر دی ہے کہ وہ نزول فرماتا ہے لیکن یہ نہیں بتایا کہ کیسے نزول فرماتا ہے، ہم تو بس اتنا جانتے ہیں کہ وہ جو چاہے کرنے والا اور ہر شئی پر قادر ہے۔

اسی لئے ہم خاص اور مومن بندوں کو اس عظمت والے وقت میں اپنے رب کی مہربانیوں اور اس کی نوازشوں کی طلب میں لگے ہوئے دیکھتے ہیں، چنانچہ یہ لوگ نہایت ہی خشوع وخضوع کے ساتھ اس سے دعا کرتے ہوئے، گڑگڑاتے ہوئے اور اس سے اپنے مطالبات کی امید کرتے ہوئے اس کی بندگی وعبادت کے لئے کھڑے رہتے ہیں جن کا اس نے اپنے رسول کے زبانی ان سے وعدہ کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت فرح

وقوله صلى الله عليه وسلم: لله أشد فرحاًبتوبة عبدهِ المؤمن التائب من أحدكم براحلتهِ" (الحديث. متفق عليه)

بخاری وغیرہ میں یہ حدیث پوری اس طرح آئی ہے:

"اللہ اپنے بندے کی توبہ کے سبب اس شخص سے کہیں زیادہ خوش ہوتا ہے جو کسی بیابان جنگل میں ہو اس کے ساتھ اس کی سواری بھی ہو جس پر اس کے کھانے پینے کا سامان بھی موجود ہو، پھر وہ بغرض آرام سواری سے اترے اور سو جائے جب کہ سواری اس کے سر کے پاس موجود ہو، پھر جب بیدار ہو کر دیکھے تو سواری ہاتھ سے جا چکی ہو، تلاش بسیار کے بعد بھی کوئی کامیابی نہ ملے یہاں تک کہ شدت پیاس سے اس کی جان پر بن آئے تو کہنے لگے: "واللہ! اب تو میں وہیں لوٹ جاؤں گا جہاں میری سواری تھی اب سوائے موت کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے" چنانچہ وہ واپس آ کر سو جائے اور جب بیدار ہو تو دیکھے کہ اس کی سواری اس کے سر کے پاس ہی موجود ہے۔ یہ دیکھ کر کہے: "اللہ! تو میرا بندہ اور میں تیرا رب ہوں۔" فرط خوشی میں غلطی کر جائے۔"

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے صفت فرح ثابت کی گئی ہے۔ اس کی دیگر تمام صفات کی طرح یہ بھی اس کی ایک حقیقی صفت ہے جو اس کے مرتبے اور شان کے مطابق ہے۔ اس کی مشیت وقدرت کے تابع فعلی صفت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس صفت فرح کا ظہور اس وقت ہوتا ہے جب اس کے کسی بندے کی طرف سے اس کے حضور میں توبہ اور توجہ وانابت کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے تائب بندے سے رضامندی اور اس کے قبولیت توبہ کی دلیل ہے۔ اور جب فرح کی نسبت مخلوق کی طرف

Www.IslamicBooks.Website

ہوتو اس صورت میں اس کے مختلف معانی ہوں گے۔ چنانچہ کبھی فرح سے خفت وسرور اور مستی کی سی کیفیت مراد ہوتی ہے تو کبھی اس سے مراد تکبر کرنے اوراترانے کی کیفیت ہوتی ہے۔ اوراللہ کی ذات ان تمام کیفیتوں سے منزہ اور پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت فرح اس کی مخلوق کے کسی فرد کی صفت فرح کے مشابہ نہیں ہے۔ نہ تو ذات فرح میں نہ اس کے اسباب میں اورنہ ہی اس کے مقاصد میں۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں سے خوش ہونے کا سبب ہے اس کی کمال رحمت اوراس کا احسان جس کے لئے وہ اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ انہیں اس سے طلب کریں۔ اوراس کا مقصد ہے اس کے دربار میں توبہ ورجوع کرنے والے بندوں پراس کی نعمت کا اتمام۔

اللہ کی صفت فرح کی تفسیر اگراس کے لازمی معنی یعنی رضا سے اوررضا کی تفسیر ارادۂ ثواب سے کی جائے تو یہ اللہ کی صفت فرح اور رضا کا انکاراوراس کی تعطیل ہے۔ اور یہ انکارو تعطیل لازمی نتیجہ ہے ”معطلہ“ کے اپنے رب کے بارے میں سوءظن کا، ان کا خیال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے ان تمام صفات کوثابت کرنے کی صورت میں یہ تمام معانی اس کی ذات پر بالکل ایسی کیفیت میں صادق آئیں گے جس کیفیت میں مخلوقات پرصادق آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ بلندوبرتر ہےان کی تشبیہ وتعطیل سے!

Www.IslamicBooks.Website

صفت ضحک

وقوله صلى الله عليه وسلم: يضحک الله الى رجلين يقتل احدهما الآخر، وكلاهما يدخل الجنة. (متفق عليه)

اہل سنت والجماعت صفت ضِحک (ہنسنے) کو اللہ رب العزت کے لئے ثابت مانتے ہیں جیسا کہ اس حدیث میں اور دوسری احادیث میں ثابت ہوتا ہے۔ اور بالکل اسی مفہوم میں تسلیم کرتے ہیں جو اس کی ذات کے لائق اور اس کے مناسب ہے یعنی اس کی یہ صفت مخلوق کے اندر ان پر فرح وطرب کے غلبے کے وقت پائی جانے والی صفت ضحک کے مشابہ نہیں ہے بلکہ اس کی یہ صفت اس کی ذات میں اس وقت پیدا ہوتی ہے جب اس کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ صفت صرف اس کی مشیت وحکمت کے ماتحت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور مخلوق میں صفت ضحک کا صدور اس وقت ہوتا ہے جب کوئی ایسا عجیب وغریب معاملہ درپیش ہو جس کی پہلے سے کوئی نظیر موجود نہ ہو، اور یہ صورت حال اس حدیث میں بھی مذکور ہے۔ کوئی کافر کسی مسلمان پر مسلط ہو کر اگر قتل کردے تو ظاہر ہے کہ کافر کا یہ عمل اس پر اللہ کی سخت ناراضگی وغضب اور آخرت میں گرفت وذلت کا سبب ہے، لیکن اس کے بعد جب اللہ تعالیٰ اس کافر کو توبہ کی توفیق دیکر اس پر احسان کردے اور اسے اسلام میں داخل ہونے کی بھی ہدایت دے دے، پھر وہ فی سبیل اللہ جہاد کرتے ہوئے شہید ہو جائے اور دخول جنت کا مستحق بن جائے تو واقعی یہ قابل تعجب بات ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی کمال رحمت اس کا احسان اور بندوں پر اس کا بے پایاں فضل وکرم ہی ہے کہ ایک مسلمان اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے تو اسے ایک کافر قتل کردیتا ہے، اللہ

Www.IslamicBooks.Website

تعالیٰ اس مسلمان پر اپنا فضل اور احسان کر کے شہادت کا درجہ عطا کر دیتا ہے لیکن پھر اس کافر پر بھی اس کا احسان ہوتا ہے، اسے اسلام قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے، پھر وہ اس کی راہ میں شہید ہو جاتا ہے۔ چنانچہ پھر وہ دونوں ایک ساتھ ہی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔

اللہ کی اس صفت ضحک کی یہ تفسیر کرنا کہ اس سے مراد اس کی رضا مندی یا اس کی قبولیت ہے یا اس سے یہ سمجھنا کہ ''اللہ تعالیٰ ہنستا ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شئی اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسی کنڈیشن اور حالت تک پہونچ گئی جس سے ہنسی آجائے، اللہ کا حقیقی طور پر ہنسنا مقصود نہیں ہے تو یہ اس صفت کا انکار ہے جسے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا ہے۔ لہٰذا ایسے اقوال و آراء کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جا سکتی۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت عجب

وقوله: "عجب ربنا من قنوط عباده وقرب خيره. ينظر اليكم أزلين قنطين فيظل يضحک يعلم أن فرجكم قريب". (حديث حسن)

یہ حدیث اللہ رب العالمین کے لئے عجب یعنی کسی شئ پر تعجب کرنے کی صفت کو ثابت کررہی ہے اس کا ہم معنیٰ آپ کا یہ قول بھی ہے "عجب ربک من شاب لیس له صبوة" ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے "الصافات" کی آیت کریمہ (نمبر۱۲) "بل عجبت ویسخرون" پڑھی ہے یعنی تا کے ضمہ واحد متکلم کے صیغے کے ساتھ۔

اللہ تعالیٰ کا تعجب اسباب کے خفاء یا حقیقت اشیاء سے ناواقفیت کے نتیجہ میں پیدا شدہ نہیں ہے بلکہ یہ ایک معنی ہے جو اس کی مشیت اور اس کی قدرت کے تقاضے کی بنیاد پر اس معنی کے تقاضہ کرنے والے عوامل کے وجود کے وقت اس کی ذات میں پیدا ہوتا ہے یعنی ایک ایسی شئ کا وجود جو قابل تعجب ہو۔

اور یہ تعجب کا وصف جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو متصف مانا ہے یہاں یہ اس کی رحمت کے آثار میں سے ایک ہے نیز یہ اس کے کمال میں سے ہے چنانچہ جب بارش بندوں سے ان کی تہی دستی اور شدید طلب کے باوجود رک جائے اور ان پر مایوسی و ناامیدی چھا جائے ، ان کی نظریں صرف ظاہری اسباب تک محدود ہوکر رہ جائیں اور لوگ یہ خیال کرنے لگیں کہ اب اس کے بعد کوئی راحت نصیب نہ ہوگی ، تو اس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔

یہ واقعی قابل تعجب صورت حال ہے کہ یہ لوگ کیسے مایوس و ناامید ہو بیٹھے جب کہ اس کی رحمت ہر شئ پر وسیع ہے نیز اس کے حصول کے اسباب بھی بے شمار ہیں۔ بندوں کی ضرورتیں اور ان کی حاجتیں خود اس کی رحمت کے اسباب میں شمار ہوتی ہیں نیز حصول بارش کے لئے دعا اور اس سے اس کی امید و توقع بھی اس کی رحمت کے اسباب

میں سے ہیں، مخلوقات کے سلسلے میں اس کا یہ اصول بھی رہا ہے کہ مصیبت کے ساتھ راحت اور تنگی کے ساتھ آسانی ملی ہوئی ہے اور شدت و مصیبت ہمیشہ رہتی بھی نہیں ہے چنانچہ اس کے ساتھ جب التجا و درخواست کی قوت اور اس کے فضل کی طمع وطلب اور اس کے دربار میں اظہار عجز اور دعا شامل ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے خزانے کھول دیتا ہے جو خواب وخیال میں بھی نہیں ہوتے۔

قنوط قنط کا مصدر ہے اس کا معنی ہے اللہ کی رحمت سے مایوسی۔ قرآن میں ہے:

﴿ومن يقنط من رحمة ربه الا الضالون﴾ (الحجر:۵٦)

''اپنے رب کی رحمت سے مایوس گمراہ لوگ ہی ہوتے ہیں۔''

حدیث میں آپ کے فرمان ''وقرب خيره'' سے مراد اللہ کی رحمت اور اس کا فضل ہے۔ ایک دوسری روایت میں یہی لفظ ''غيره'' مروی ہے۔ غیر ایک اسم ہے جو ''غير الشئ فتغير'' سے مشتق ہے۔

حدیث استسقاء میں مذکور ہے ''من يكفر بالله يلق الغير'' یعنی جو اللہ کے ساتھ کفر کرے گا تو اس کی حالت غیر ہو جائے گی، وہ صلاح وخیر سے ہٹ کر فساد میں مبتلا ہو جائے گا۔

حدیث کے اندر مذکور دو لفظ ''ازلين قنطين'' الیکم کی ضمیر مجرور سے حال واقع ہیں، ازلین آزل سے اس فاعل کی جمع ''الأزل'' سے مشتق ہے جس کا معنی ہے ''شدت وتنگی'' کہتے ہیں ''أزل الرجل يأزل أزلا باب سمع'' یعنی تنگی وسختی میں مبتلا ہوا۔

Www.IslamicBooks.Website

اثبات رجل وقدم

وقوله صلى الله عليه وسلم "لاتزال جهنم يلقى فيها وهی تقول هل من مزيد؟ حتى يضع رب العزة فيها رجله". وفی رواية "عليها قدمهٗ فينزوی بعضها الی بعض فتقول: قط قط". (متفق عليه)

اس حدیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے رجل (پیر) اور قدم کو ثابت کیا گیا ہے، بقیہ صفات کی طرح یہ بھی اس کی ایک صفت ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس کی عظمت کے لائق ومناسب ہی یہ صفت ثابت کی جائے گی۔

جہنم کے اندر اللہ تعالیٰ کے قدم رکھنے کی حکمت یہ ہے کہ اس نے یہ وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ جہنم کو پر کردے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے: ﴿لأملئن جهنم من الجنة والناس اجمعين﴾ ''میں جہنم کو جنوں اور انسانوں تمام سے بھر دوں گا'' (السجدة:۱۳)

چونکہ اللہ تعالیٰ کے عدل اور اس کی رحمت کا تقاضا یہ ہے کہ کسی بے گناہ کو عذاب نہ دے، جب کہ جہنم کا حال یہ ہے کہ وہ بہت گہری وکشادہ ہے چنانچہ اس کے پر کرنے کی غرض سے وہ اس میں اپنا قدم رکھ دے گا، اس وقت جہنم کے دونوں کنارے باہم مل جائیں گے اور اہل دوزخ کے لئے فاضل جگہ نہ رہ جائے گی، جہاں تک جنت کا سوال ہے تو ان پر بہت ساری نوازشوں کے باوجود اس میں بہت ساری جگہیں خالی رہ جائیں گی تو اس وقت اللہ تعالیٰ ایک نئی مخلوق پیدا فرما کر بسا دے گا جیسا کہ حدیث سے واضح ہوتا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اثبات قول، نداا ور کلام

وقوله: "يقول تعالىٰ : ياآدم ،فيقول لبيک وسعديک فينادى بصوت ان الله يأمرک أن تخرج من ذريتک بعثاً الى النار (متفق عليه)

وقوله:" مامنکم من أحد الاسيکلمه ربه وليس بينه وبينه ترجمان."

ان دونوں احادیث میں اللہ تعالیٰ کے لئے قول، ندا اور تکلیم (بات کرنا) کا اثبات ہوا ہے، ہم اس سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے موقف کو واضح کر چکے ہیں کہ ان کا ایمان یہ ہے کہ یہ سب اس کی فعلی صفات ہیں جو اس کی مشیت اور اس کی حکمت کے تابع ہیں، ماضی میں بھی اس کی جانب سے قول ندا اور کلام کا صدور ہوا ہے اور حال میں بھی ہو رہا ہے اور مستقبل میں بھی ہوگا، خواہ اس کا قول ہو، ندا ہو یا کلام یہ سب کے سب حروف واصوات کے ساتھ ہیں جنہیں مخاطب سنتا ہے۔

اس حدیث میں اشاعرہ کے اس نقطۂ نظر کی تردید ہے کہ اس کا کلام قدیم ہے جو بلا صوت وآواز ہے،

دوسری حدیث اس بات کی صراحت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں سے بغیر کسی واسطے کے کلام کرے گا، اور اس کا کلام کرنا عام ہوگا کیونکہ یہ لوگوں کے محاسبے کے لئے ہوگا، مومن، کافر، فاسق وفاجر سب اس میں داخل ہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کے اس قول "لايکلمهم الله" یعنی اللہ تعالیٰ ان سے کلام نہیں کرے گا۔ کی مخالفت نہیں ہو رہی ہے کیونکہ اس آیت میں جس کلام وگفتگو کی نفی کی گئی ہے وہ خوشی ورضامندی کی حالت میں ہونے والی گفتگو ہے۔ اور یہ ایک خاص قسم کی گفتگو ہے اس کے مقابلہ میں وہ گفتگو وکلام ہے جو اللہ تعالیٰ جنتیوں سے کرے گا یہ گفتگو محبت ورضامندی اور احسان پر مبنی ہوگی۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت علو کا بیان

وقولہ فی رقیة المریض :"ربنا الذی فی السماء تقدس اسمک، أمرک فی السماء والأرض کما رحمتک فی السماء، اجعل رحمتک فی الأرض، اغفرلنا حوبنا وخطایانا، انت رب الطیبین، أنزل رحمة من رحمتک وشفاء من شفائک علی هذالوجع فیبرأ" (حدیث حسن، رواہ ابو داؤد وغیرہ).

وقوله: "ألا تأمنونی وأنا امین فی السماء" (حدیث صحیح)

وقوله: "والعرش فوق الماء والله فوق العرش وهویعلم ما أنتم علیه" (حدیث حسن، رواہ ابو داؤد وغیرہ)

وقوله للجاریة : "أین الله؟ قالت فی السماء .قال:من أنا؟ قالت: أنت رسول الله. قال: اعتقها فانها مومنة." رواہ مسلم.

پہلی حدیث اللہ تعالیٰ کے علو اور اس کی فوقیت کی صراحت کررہی ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:﴿أأمنتم من فی السماء﴾ "کیا تم اس ذات کی طرف سے مطمئن ہوگئے ہو جو آسمان میں ہے" (الملک)

ہم پہلے ہی یہ بات واضح کر چکے ہیں کہ ان نصوص کا مقصد یہ ہرگز نہیں کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے جو اسے سنبھالے ہوئے ہے بلکہ اس میں مذکور لفظ "فی" یا تو "علی" کے معنی میں ہے جیسا کہ بہت سے اہل علم اور اہل لغت کا خیال ہے، "فی" بمعنی "علی" بہت سی جگہوں میں استعمال ہوا ہے مثلاً قرآن کی ایک آیت ہے ﴿ولأصلبنکم فی جذوع النخل﴾ "اور کھجور کے تنوں پر تمہیں سولی دے دوں گا۔" (طہ:۷۱) یا نصوص میں آسمان سے مراد جہت علو و بلندی ہے۔ان دونوں ہی توجیہات کی بنیاد پر یہ آیت اللہ تعالیٰ کے اس کے مخلوق پر بلند ہونے کے سلسلے میں نص ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

رقیہ والی حدیث میں اللہ تعالیٰ کی ثناء اس کی ربوبیت والوہیت اوراس کے اسماء کی تعظیم وتقدیس، تمام مخلوقات پراس کی بلندی اوراحکام شریعت وتقدیر سے متعلق تمام امور کے ذریعے اس کا وسیلہ وتقرب اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ پھراس کی اس رحمت کو بطور وسیلہ ذکر کیا گیا جو تمام اہل آسمان کے لئے عام ہے، اس میں اس سے یہ درخواست کی گئی ہے کہ اپنی اس مخصوص رحمت کا کچھ حصہ اہل زمین کو بھی عنایت کردے، پھر بڑے گناہوں سے مغفرت کا سوال پھر چھوٹے گناہوں سے مغفرت کا سوال کرکے اس کو وسیلۂ تقرب بنایا گیا۔ پھراس کے نیک بندوں کے لئے اس کی خاص ربوبیت کو وسیلہ بنایا گیا ہے اوراس کے نیک بندے انبیاء کرام اوران کے وہ متبعین ہیں جن کی علامت یہ ہے کہ اس نے انہیں دین ودنیا کی ظاہری وباطنی نعمتوں سے مالا مال کررکھا ہے۔

یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے حصول تقرب کے وسائل ہیں انہیں بطور وسیلہ اختیار کرنے والوں کی دعا کبھی رد نہیں ہوتی، یہی وجہ ہے کہ آپ نے ان وسائل کو اختیار کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس شفا کی دعا فرمائی جو کہ صرف اسی کے لئے مختص ہے اس کی طرف سے ملنے والی یہ شفا کسی بھی مرض کو دور کئے بغیر نہیں چھوڑتی، نیز اس شفا میں غیر اللہ کا کوئی بھی دخل نہیں ہے۔

تو کیا ذات واشخاص اورحق وجاہ اورمرتبہ وغیرہ سے تقرب حاصل کرنے والے قبروں کے پجاری حضرات اس بات کو سمجھیں گے۔۔۔؟

رہی تیسری حدیث۔۔تو یہ اس جاریہ کے ایمان کے متعلق آپ کی شہادت پر مشتمل ہے جس نے اس بات کا اعتراف کرلیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات پر بلند ہے۔ اس سے یہ واضح ہورہا ہے کہ علو وبلندی کا وصف اللہ کا سب سے عظیم وبڑا وصف ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ یہاں حدیث جاریہ میں اللہ تعالیٰ کی اورتمام صفات کو چھوڑ کر صرف اسی ایک وصف کے متعلق سوال ہے۔اس سے یہ بات بھی معلوم ہورہی ہے کہ ہرناحیے سے اس کے علو وبلند ہونے پر ایمان رکھنا ایمان کے بڑے اصولوں میں سے ایک ہے، اگر کسی

Www.IslamicBooks.Website

نے انکار کردیا تو گویا وہ ایمان صحیح سے محروم ہوگیا۔

تعجب تو ان صفات کی نفی کرنے والے احمق معطلہ پر ہوتا ہے، جو خود کو اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے رسول سے بھی زیادہ جانکار سمجھ بیٹھے ہیں جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کے متعلق لفظ ''این'' (کہاں ہے) سے سوال کرنے کی بھی ممانعت کردی، حالانکہ کئی مرتبہ بعینہ یہی لفظ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی استعمال کیا ہے۔ ایک مرتبہ کسی سے اللہ کے متعلق سوال کرتے وقت، جیسا کہ حدیث جاریہ میں مذکور ہے۔ اور دوسری مرتبہ اس شخص کے سوال کا جواب دیتے ہوئے جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تھا ''أین کان ربنا؟'' کہ ہمارا رب کہاں تھا''۔

رہی دوسری حدیث ''والعرش فوق الماء'' تو اس میں اللہ تعالیٰ کے عرش پر بلند ہونے کے متعلق ایمان رکھنے اور تمام موجودات کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم کے وسیع ہونے پر ایمان رکھنے کا ذکر ہے، پاک و برتر ہے جو قریب ہوتے ہوئے بھی بلند اور بلند ہوتے ہوئے بھی قریب ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صفت معیت کا بیان

وقوله: "أفضل الايمان أن تعلم أن الله معک حيثما كنت "(حدیث حسن)

اس حدیث میں رہنمائی یہ کی گئی ہے کہ احسان اور مراقبے کا مقام ہی افضل ایمان ہے، احسان کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اس تصور کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرے کہ گویا وہ اسے دیکھ رہا ہے، اس کے علم میں یہ بات بھی رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ اس کے ساتھ ہے، چنانچہ وہ جو بھی گفتگو کرتا ہے، عملاً جو بھی فعل انجام دیتا ہے، یا جس کام میں بھی مشغول ہوتا ہے ہر حال میں اس کی نگرانی کرتے ہوئے اس کے ہر فعل سے واقف ہوتا ہے۔

قرآن میں ہے:﴿ وماتكون في شأن وماتتلوا منه من قرآن ولاتعملون من عمل الا كنا عليكم شهودا اذتفيضون فيه﴾ "تم چاہے جس حال میں بھی رہو اور قرآن کا جو حصہ بھی تلاوت کرو اور لوگوں تم چاہے جو کام بھی کرو جب تم اس کی ابتدا کرتے ہو تو ہم تم سے باخبر رہتے ہیں۔" (سورہ یونس:٦١)

اس میں کوئی شک نہیں کہ بندہ جب تمام حالات میں اس معیت کے تصور کو مستحضر رکھتا ہے تو وہ شرم محسوس کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ایسے کام میں ملوث دیکھے جس سے اس نے اسے روکا ہو، یا کوئی ایسا عمل انجام نہ دے جس کا اس نے اسے حکم دیا ہو، چنانچہ یہ تصور محرمات سے بچنے اور طاعات کی طرف لپکنے میں کامل طور پر ظاہری و باطنی اعتبار سے معاون ثابت ہوتا ہے، بالخصوص بندہ جب نماز کی حالت میں ہو، جو کہ بندہ اور اس کے رب کے مابین تعلق و مناجات کا سب سے بڑا وسیلہ ہے۔ چنانچہ اس حالت میں بالکلیہ اپنے دل کو اس طرف مائل کر لیتا ہے اس کے سامنے اس کی عظمت و جلال کا تصور اس قدر گہرا ہوتا ہے کہ اسے اپنی حرکات و سکنات پر بھی حد درجہ کنٹرول ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اپنے دائیں بائیں جانب تھوک کر بھی اپنے رب کی بے ادبی نہیں ہونے دیتا۔

Www.IslamicBooks.Website

وقوله : "اذا قام أحدكم الى الصلاة فلايبصقن قبل وجهه ولا عن يمينه فان الله قبل وجهه، ولكن عن يساره أوتحت قدمه." (متفق عليه)

اس حدیث سے یہ علم ہوتا ہے کہ بحالت نماز اللہ تعالیٰ مصلی کے سامنے ہوتا ہے۔ شیخ الاسلام "العقیدۃ الحمویۃ" میں لکھتے ہیں:

"یہ حدیث اپنے ظاہری معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے عرش کے اوپر اور مصلی کے سامنے بھی ہے، یہ ایک ایسا وصف ہے جو مخلوق کے اندر بھی موجود ہے کوئی بھی انسان اگر آسمان وشمس وقمر سے مناجات کرے تو یہ آسمان اور شمس وقمر اس کے اوپر بھی ہیں اور سامنے بھی۔"

Www.IslamicBooks.Website

بعض اسماء کا بیان

وقوله صلى الله عليه وسلم : اللهم رب السماوات السبع والأرض ورب العرش العظيم، ربنا ورب كل شئ، فالق الحب والنوىٰ. منزل التوراة والانجيل والقرآن. أعوذبك من شر نفسي ومن شر كل دابة أنت آخذ بناصيتها. أنت الأول فليس قبلك شئ وأنت الآخر فليس بعدك شئ. وأنت الظاهر فليس فوقك شئ وأنت الباطن فليس دونك شئ. اقض عني الدين، وأغنني من الفقر." (رواہ مسلم)

اس حدیث میں رب العزت کے چار اسماء ''الأول والآخر والظاہر والباطن'' کا ذکر کیا گیا ہے ان تمام کا تعلق اسماء حسنیٰ سے ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفسیر ان معانی سے بیان کی ہے جن میں کسی کے اعتراض کرنے کی گنجائش نہیں ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے اسماء اوران کے معانی کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ لہٰذا آپ کے بتائے ہوئے معانی ومفہوم کو چھوڑ کر کسی اور کے بیان کردہ معانی اختیار نہیں کئے جاسکتے خواہ وہ کوئی بھی ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث میں ہمیں یہ بھی سکھلا رہے ہیں کہ ہم سوال کرنے سے قبل اپنے رب کی حمد وثنا کس طرح بیان کریں، چنانچہ آپ نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی اس ربوبیت عامہ کے وسیلے سے حمد وثنا بیان کی جو ہر شئی سے مرتبط ومنسلک ہے پھر اس کے بعد اس کی اس خاص ربوبیت کے ذریعے جس کے طفیل توریت، انجیل اور قرآن جیسی تینوں کتابوں کا نزول ہوا جو اس کے بندوں تک ہدایت اور نور منتقل کرنے والی ہیں، پھر آپ ؐ نے اپنے نفس کے شر اور ہر نقصان دہ شئی کے شر ونقصان سے اللہ رب العزت کی پناہ طلب فرمائی، اور حدیث کے آخری حصے میں اللہ سے یہ سوال کیا کہ ان کے قرض کو ادا کردے اور فقر سے نجات دے۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کی بندوں سے قربت

وقوله صلی اللہ علیه وسلم لما رفع الصحابة اصواتهم بالذكر:

ایها الناس! أربعوا علی أنفسکم فانکم لاتدعون أصما ولا غائبا انما تدعون سمیعا بصیرا قریبا. ان الذی تدعونه أقرب الی أحدکم من عنق راحلته.“ (متفق علیه)

اس حدیث سے بندے سے اللہ کی قربت کا پتہ چلتا ہے یعنی وہ اس قدر قریب ہے کہ آواز بلند کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ توراز کی باتوں اور سرگوشیوں کو بھی سن لیتا ہے اس حدیث میں مذکور قربت کا مطلب یہ ہے کہ احاطہ علم وسمع اور رویت کے اعتبار سے وہ قریب ہے اور اس کی یہ صفت اس کی صفت علو کے منافی نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

رویت باری تعالیٰ

"انکم سترون ربکم کماترون القمر لیلة البدر. لاتضالون فی رویة وان استطعتم أن لاتغلبوا علی صلاة قبل طلوع الشمس وصلاة قبل غروبها فافعلوا." (متفق علیه)

یہ صحیح اور متواتر حدیث جنت کے اندر مومنین کے حق میں دیدار الٰہی اور اس کے مبارک چہرے کی طرف دیکھ کر محظوظ ہونے کی گواہی دے رہی ہے جس کی دلیل گذشتہ آیات بھی ہیں۔ قرآن وسنت کے یہ تمام نصوص دو امور کی وضاحت کرر ہے ہیں:

۱......سب سے پہلی چیز یہ کہ ان نصوص سے اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوقات پر بلندی کا علم ہوتا ہے کیونکہ ان میں یہ صراحت ہے کہ مومنین اسے اپنے اوپر کی جانب دیکھیں گے۔

۲......حدیث میں مذکور عبارت "کماترون القمر لیلة البدر" میں رویت کی تشبیہ رویت سے دی گئی ہے، مرئی کی مرئی سے تشبیہ مراد نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنے رب کو بالکل صاف اور واضح حالت میں دیکھیں گے جس طرح کامل ماہتاب کو بالکل صاف طور سے دیکھا جاتا ہے اس کی کامل حالت یہ ہے کہ وہ بدر یعنی چودھویں کا چاند ہو جس پر بدلی وغیرہ کا اثر نہ ہو، اسی لئے اس کے فوراً بعد کہا: "لاتضامون فی رؤیته" فعل تضامون کو "تضام" سے مشتق مان کر میم کی تشدید کے ساتھ بھی مروی ہے اس صورت اس کا معنی ہوگا "تزاحم وتلاصق" یعنی گنجلک ہونا۔

تضامون کی تا کو ضمہ اور فتحہ دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ اس کی اصل "تتضامون" ہے تخفیفاً ایک تا حذف ہوگئی۔ اس کو "ضیم" سے مشتق مان کر میم کی تخفیف

Www.IslamicBooks.Website

کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔ اس صورت میں ''ظلم'' کا معنی مراد ہوگا۔ یعنی ''اس کی رویت میں کوئی نقص یا کمی نہ ملے گی۔''

اس حدیث کے ذریعے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی طور پر نماز فجر وعصر کی ترغیب دلانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جس نے باجماعت نمازوں میں ان دونوں پر خصوصی محافظت برتی تو وہ اس نعمت کامل سے سرفراز کیا جائے گا جس کے سامنے دیگر تمام نعمتیں ماند پڑ جائیں گی، اس حدیث میں جن دونمازون کی تاکید کی گئی ہے ایک دوسری حدیث میں بھی انہیں دونوں کی تاکید موجود ہے۔ فرمایا: ''تمہارے درمیان رات اور دن کے فرشتے ایک دوسرے کے بعد آتے جاتے رہتے ہیں اور صبح اور شام کی نمازوں میں رات اور دن کے دونوں فرشتے جمع ہو جاتے ہیں''۔ (متفق علیہ)

Www.IslamicBooks.Website

سنت رسول سے ثابت صفات۔ اہل سنت کا موقف

"الی امثال هذه الاحادیث التی یخبر فیها رسول الله صلی الله علیه وسلم عن ربه بما یخبر به،فان الفرقة الناجیة أهل السنة والجماعة یومنون بذلک کمایومنون بماأخبر الله به فی کتابه من غیر تحریف ولا تعطیل وغیر تکییف ولاتمثیل ،بل هم الوسط فی فرق الأمة کما أن الأمة هی الوسط فی الأمم".

مؤلف نے جن احادیث کا تذکرہ کیا ہے یہ باب صفات میں وارد شدہ احادیث کا مکمل استیعاب نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس جانب اشارہ بھی کردیا ہے کہ انہیں کے ہم معنی دوسری بہت سی احادیث بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہیں جنہیں آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بتائی ہوئی چیزوں کے متعلق بیان فرمائی ہیں ،ان احادیث کا حکم بھی انہیں کی طرح ہے یعنی بیان کردہ احادیث کے علاوہ بھی جن احادیث میں اس کے اسماء وصفات کا ذکر ہے ان پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے۔

پھر اپنے اصل موضوع کی طرف رجوع کرتے ہوئے انہوں نے اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بیان کیا۔

سب سے پہلی بات انہوں نے یہ بتائی کہ سنت صحیحہ میں واردشدہ تمام صفات پر اہل سنت ایسے ہی ایمان رکھتے ہیں جس طرح اللہ کی کتاب میں واردشدہ صفات پر بغیر کسی تحریف وتعطیل کے اور بغیر تکلیف وتمثیل کے ایمان رکھتے ہیں۔ پھر اہل سنت والجماعت کے متعلق یہ خبر دی کہ ان کا طریقہ اس امت میں موجود گمراہ اور بھٹکے ہوئے فرقوں کے مابین ایک درمیانی اوراعتدال پسندی پر مبنی طریقہ ہے، جس طرح یہ امت پچھلی ساری امتوں میں امت وسط کے نام سے موسوم ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وکذلک جعلناکم أمةً وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شهیداً﴾ "اوراسی طرح ہم نے تمہیں ایک معتدل امت بنایا تاکہ تم

Www.IslamicBooks.Website

لوگوں کے سامنے گواہی دو اور رسول تمہارے بارے میں گواہی دیں۔'' (البقرۃ:۱۴۳)

''وسط'' کا معنی ہے معتدل اور میانہ روی پر مبنی سب سے بہتر۔ جیسا کہ حدیث میں صراحت ہے۔

اس امت کا عقیدہ ان امتوں کے درمیان جو نقصان دہ غلو کی طرف مائل ہیں اور ان کے درمیان جو مہلک تفریط کی طرف مائل ہیں، میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے، پچھلی امتوں میں سے بعض نے تو مخلوق کی صفات میں غلو کرتے ہوئے ان کے لئے خالق کی صفات اور اس کے حقوق ثابت کر بیٹھے، جیسا کہ نصاریٰ عیسی مسیح علیہ السلام اور اپنے راھبوں کی شان میں غلو کے مرتکب ہوئے، اور انہیں امتوں میں سے کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے انبیاء اور ان کے متبعین کے ساتھ جفا اور غداری کی حتی کہ انہیں قتل کر دیا اور ان کی دعوت کو بھی رد کر دیا۔ جیسا کہ یہودیوں نے کیا، انہوں نے زکریا اور یحیٰ علیہما السلام کو قتل کیا ہی عیسی علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی اور ان پر بہتان تراشی کی۔

رہی یہ امت (یعنی امت محمدیہ) تو یہ ان تمام رسولوں پر ایمان لائی جنہیں اللہ تعالیٰ نے مبعوث کیا اور ان کی رسالت کو تسلیم کرتے ہوئے ان انبیاء کے اس بلند و بالا مرتبے کو بھی پہچانا جن کے ذریعے اللہ نے انہیں ممتاز کیا تھا، اور جن کے ذریعے انہیں فضیلت بخشی۔

انہیں پچھلی امتوں میں کچھ ایسی امتیں بھی تھیں جو اپنے لئے ہر خبیث اور طیب چیز کو حلال کر بیٹھے، کچھ تو غلو اور حد سے تجاوز کرتے ہوئے طیبات کو بھی حرام ٹھہرا لیا۔

رہی یہ امت (امت محمدیہ) تو اللہ نے اس کے لئے طیبات کو حلال اور خبائث کو حرام فرما دیا ہے، اس کے علاوہ بھی بہت سے ایسے امور ہیں جن میں اللہ نے توسط کا حکم دے کر اس امت پر احسان و کرم فرمایا ہے۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت اس امت کے ان بدعتی فرقوں کے درمیان جو صراط مستقیم سے بھٹک چکے ہیں اعتدال پسندی اور میانہ روی کے نظریے پر قائم ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

صفات کے باب میں اہل سنت کا متفق علیہ عقیدہ

”فهم وسط في باب صفات الله سبحانه وتعالیٰ بين أهل التعطيل الجهمية وأهل التمثيل المشبه.“

یعنی صفات کے باب میں اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ان حضرات کے مابین اعتدال پسندی پر مبنی ہے جو صفات کا انکار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بلند و بالا ذات کو تمام صفات سے عاری اور معطل قرار دیتے ہیں، اور صفات کے اثبات کے سلسلے میں وارد شدہ آیات واحادیث کے صحیح وثابت معنوں میں تحریف کر کے اپنے اعتقاد کے موافق ایسے معانی مراد لیتے ہیں جو نہ تو کسی صحیح دلیل سے ثابت ہیں اور نہ ہی عقل صریح سے۔ مثلاً ان کا یہ خیال کہ اللہ کی رحمت سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کے ساتھ احسان کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، ”یـد الله“ یعنی اللہ کے ہاتھ سے مراد اس کی قدرت، اللہ کے عین یعنی آنکھ کے اثبات سے مراد یہ ہے کہ وہ حفاظت ورعایت کرتا ہے، نیز اس کے عرش پر مستوی ہونے سے مراد ہے اس کا غالب وقابض ہونا۔ اس کے علاوہ تعطیل کی اور بھی بہت سی صورتیں ہیں جن کے جال میں یہ لوگ اپنے رب کے تعلق اپنے اس سوء ظن اور وہم کے سبب پھنس گئے ہیں کہ اللہ کے ساتھ ان صفات کو قائم ماننا صرف اور صرف اسی کیفیت اور طریقے پر سمجھ میں آتا ہے جو مخلوق کے ساتھ اثبات صفات کی کیفیت ہے۔ گویا دونوں میں مشابہت لازم آتی ہے۔ کہنے والے نے کیا ہی بہتر کہا ہے ؎

وقصاری أمر من أول أن ظنوا ظنونا   فيقولون على الرحمن مالا يعملونا

اہل تاویل کی کوششوں کا ماحصل ظنون وخیالات کے سوا کچھ نہیں، وہ رحمٰن کے سلسلے میں وہ بات کہتے ہیں جن کا انہیں علم نہیں۔

اہل تعطیل یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کو صفات سے معطل وعاری قرار دینے والوں

Www.IslamicBooks.Website

کو "جہم بن صفوان الترمذی" کی طرف منسوب کر کے "جہمیہ" کہا جاتا ہے جو کہ اس فتنہ وگمراہی کا سرغنہ ہے، پھر اس لفظ کے مفہوم میں قدرے وسعت دے کر اس کا استعمال ہر اس شخص پر ہونے لگا جو اسماء وصفات کے سلسلے میں نفی وانکار کا مرتکب ہوا ہو۔ اس میں "فلاسفہ"، "معتزلہ"، "اشعریہ"، قرامطہ" اور "باطنیہ" جیسے تمام فرق داخل ہیں جو صفات کی نفی کرتے ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا عقیدہ منکرین صفات "جہمیہ" اور ان اہل تمثیل "مشبہہ" کے مابین اعتدال پسندی پر مبنی ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو اس کی مخلوق کے مشابہ اور اسے اس کے بندوں کے مماثل قرار دیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گمراہ فرقوں کے نقطہ نظر کی تردید ان الفاظ میں کی ہے: ﴿لیس کمثله شئ﴾ یعنی اس کے مثل کوئی شئ نہیں ہے، آیت کا یہ ٹکڑا مشبہہ کے موقف کی تردید کر رہا ہے، جب کہ ﴿وھو السمیع البصیر﴾ "یعنی وہ خوب سننے اور دیکھنے والا ہے"۔ سے معطلہ کے مذہب کی تردید ہوتی ہے۔

اہل حق اللہ کی صفات کو بلا تمثیل ثابت کرتے ہیں اور ان صفات کو مخلوق کی مشابہت سے بلا تعطیل منزہ اور پاک قرار دیتے ہیں۔ الغرض انہوں نے "معطلہ" اور "مشبہہ" دونوں کے موقف یعنی تنزیہ واثبات کو ایک ساتھ نہایت ہی بہتر انداز میں جمع کر دیا ہے۔ اور ان کی تعطیل وتشبیہ والے نظریے کو رد کر دیا جس میں پڑ کر وہ لوگ خطا وغلطی کے مرتکب ہوئے تھے۔

Www.IslamicBooks.Website

بندوں کی جانب سے صادر ہونے والے افعال۔صحیح موقف

"وھم وسط فی باب افعال اللہ بین الجبریة والقدریة وغیرھم."

علامہ محمد بن عبدالعزیز بن مانع اس عبارت پر اپنی تعلیق میں فرماتے ہیں:

"واضح رہے کہ بندوں کے افعال کے سلسلے میں لوگوں کو اختلاف ہے کہ آیا یہ اللہ کی قدرت واختیار میں ہیں یا نہیں؟ جہم اور اس کے متبعین جن کا شمار "فرقہ جبریہ" میں ہوتا ہے، کہتے ہیں کہ افعال عباد صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار میں ہیں بندہ ان کا خالق نہیں ہے، یہی خیال اشعری اور ان کے متبعین کا ہے کہ تقدیر میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی قدرت واختیار کا ہی دخل ہے بندے کا اس میں کوئی اختیار نہیں، جمہور معتزلہ جنہیں قدریہ کہا جاتا ہے یعنی تقدیر کے منکرین فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے اختیار پر بعینہ قادر نہیں ہے البتہ ان کے مابین اس بات پر اختلاف چلا آرہا ہے کہ کیا وہ بندوں کے قدرت واختیار کے مثل پر قادر ہے یا نہیں؟ چنانچہ ابوعلی وابوھاشم جیسے بصریوں نے اس کو ثابت تسلیم کیا ہے جب کہ کعبی اور ان کے متبعین اہل بغداد نے اس کا انکار کیا ہے۔

اہل حق کا خیال اور ان کا منہج فکر یہ ہے کہ بندے اپنے انجام دیئے ہوئے افعال کے سبب ہی فرماں بردار اور نافرمان بنتے ہیں اور یہ افعال اللہ تعالیٰ کے تخلیق کردہ ہیں، اللہ رب العزت اپنی جملہ مخلوقات کی تخلیق میں تنہا ومنفرد ہے اس کے سوا کوئی ان کا خالق ہی نہیں ہے، جبریہ نے تو اثبات تقدیر میں غلو سے کام لیتے ہوئے بندوں سے کسی بھی قسم کے اختیار وفعل کی بالکلیہ ہی نفی کردی جب کہ تقدیر کے منکر معتزلی حضرات نے اللہ کے ساتھ بندوں کو بھی خالق تسلیم کرلیا، جس کے سبب یہ لوگ اس امت کے مجوس ثابت ہوئے،...... جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین یعنی اہل سنت والجماعت کو اپنی طرف سے ہدایت بخشی، اللہ جسے چاہتا ہے اسے ہی سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے، ان کا

Www.IslamicBooks.Website

خیال یہ ہے کہ بندے اپنے افعال کو انجام دینے والے اور اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کے افعال کی تخلیق کرنے والا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿واللہ خلقکم وماتعملون﴾ ''اللہ نے تم سب کو پیدا کیا ہے اور اسے بھی جو تم عمل کرتے ہو۔''

(الصافات:٩٦)

یہ عبارت ہم نے من وعن نقل کر دی کیونکہ تقدیر اور بندوں کے افعال کے سلسلے میں متکلمین کے مذاہب اور ان کے نقطۂ نظر کی بہت ہی عمدہ تلخیص ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

جزا وسزا

"وفی باب وعیداللہ بین المرجئة والوعیدیة من القدریة وغیرھم".

اس عبارت کا مفہوم یہ ہے کہ اہل سنت والجماعت "وعید" یعنی گناہوں کی سزا کے سلسلے میں افراط کے شکار مرجئہ کے برعکس اعتدال اور میانہ روی کے موقف پر قائم ہیں جن کا خیال یہ ہے کہ: جس طرح بحالت کفر اطاعت وفرماں برداری کے اعمال فائدہ مند نہیں ہیں ویسے ہی بحالت ایمان گناہ کرنے سے ایمان میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، ان کے خیال کے مطابق صرف دل سے تصدیق کر لینے کا نام ہی ایمان ہے اگرچہ زبان سے اقرار نہ کیا جائے............ ارجاء کی طرف نسبت کرتے ہوئے انہیں "مرجئہ" کہا جاتا ہے۔ "ارجاء" کا معنی ہے مؤخر کرنا، چونکہ انہوں نے اعمال کو ایمان سے مؤخر اور الگ کر رکھا ہے اس لئے مرجئہ کہلائے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس مفہوم کی بنیاد پر ارجاء کفر ہے جس کا اقرار کرنے والا خارج عن الملۃ ہے کیونکہ ایمان میں دل سے تصدیق کرنے کے ساتھ ساتھ زبان سے اقرار اور جملہ ارکان اسلام پر عمل کرنا بھی داخل ہے، اس میں سے کچھ بھی اگر چھوٹ گیا تو آدمی مومن نہیں ہوگا۔

اب رہا وہ "ارجاء" جسے کوفہ کے بعض ائمہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اوران کے علاوہ دوسرے ائمہ کرام کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا یہ خیال کہ اعمال ایمان میں داخل اور اس کا جز نہیں ہیں لیکن اس کے باوجود بھی یہ لوگ اہل سنت کے اس مسلک کے موافق ہیں کہ اللہ مرتکب کبائر میں سے جسے چاہے گا جہنم میں ڈال کر سزا دے گا اور پھر شفاعت یا کسی دوسرے ذریعہ سے انہیں جہنم سے نکال دے گا، اور اس خیال میں بھی وہ اہل سنت کے موافق ہیں کہ ایمان کے لئے زبان سے اقرار کرنا بھی

Www.IslamicBooks.Website

ضروری ہے، اوراس موقف میں بھی ان سے متفق ہیں کہ فرض اعمال واجب ہیں انہیں ترک کرنے والا مذمت وعتاب کا مستحق ہے،تو ارجاء کی یہ قسم کفر نہیں ہے، اگر چہ کہ ایمان سے عمل کو خارج ماننے کا ان کا موقف باطل اور بدعت ہے۔

وعید یہ ان حضرات کو کہا جاتا ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ جس طرح اللہ تعالیٰ پر یہ واجب ہے کہ فرماں برداروں کو ثواب واجر دے اسی طرح اس پر عقلاً یہ بھی واجب ہے کہ عاصی و گنہگار کو عذاب سے دوچار کرے۔

چنانچہ جو شخص گناہ کبیرہ کا ارتکاب کرتے ہوئے بغیر توبہ کئے مرجائے تو ان کے خیال کے بموجب اللہ کے لئے یہ جائز ودرست نہیں کہ اسے معاف کرے، ان کا یہ مذہب وموقف باطل اور کتاب وسنت سے متصادم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ ان اللہ لایغفر أن یشرک بہ ویغفر مادون ذٰلک لمن یشاء﴾ ''اللہ تعالیٰ اس بات کو معاف نہیں کرتا کہ اس کے ساتھ شریک بنایا جائے اوراس کے علاوہ گناہوں کو جس کے لئے چاہتا ہے معاف کردیتا ہے۔'' (النساء:۴۸) اوراحادیث میں بھی موحد گنہگار کے جہنم سے نکلنے اوران کے جنت میں داخل ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مسلک وعید وسزا کا انکار کرنے والے مرجئہ اوراسے واجب قرار دینے والے قدریہ کے مابین میانہ روی اوراعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ان کے مذہب کے مطابق جو شخص کبیرہ کا ارتکاب کر کے مرجائے تو اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اگر وہ چاہے تو گرفت کرے اور چاہے تو معاف کردے، جیسا کہ گذشتہ آیات دلالت کررہی ہیں۔ اوراگر اس کا مواخذہ بھی ہوا تو وہ کفار کی طرح مخلد فی النار نہ ہوگا بلکہ جہنم سے نکال کر اسے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

Www.IslamicBooks.Website

اسماء وایمان ودین

"وفی باب اسماء الایمان والدین بین الحروریة والمعتزلة وبین المرجئة والجهمیة."

اسماء واحکام کا مسئلہ وہ پہلا مسئلہ ہے جس کولیکر اسلام میں مخالف گروپوں کے مابین سب سے پہلے نزاع پیدا ہوا اور اس نزاع میں ان جنگی وسیاسی واقعات کا جو کہ اس وقت علی ومعاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین رونما ہوئے اور اس کشمکش کے نتیجے میں خوارج، روافض اور قدریہ جیسے پیدا شدہ مختلف فرقوں کا بھی بہت بڑا دخل تھا۔

یہاں اسماء سے مراد دین میں پیدا شدہ مختلف فرقوں مثلاً مسلم، مومن، کافر فاسق وغیرہ کے اسماء ہیں اور احکام سے مراد ہے دنیا وآخرت میں ان تمام فرقوں کی طرف منسوب ہونے والوں کے احکام۔

خوارج جو حروریہ بھی کہلاتے ہیں اور معتزلی حضرات اس موقف کی طرف گئے ہیں کہ ایمان کا لفظ صرف اسی کے حق میں درست ہے جو دل سے تصدیق کرے، زبان سے اقرار کرے اور تمام واجبات کی بجا آوری کرے اور تمام کبائر سے اجتناب کرے، چنانچہ ان دونوں فرقوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ مرتکب کبائر کو مومن نہیں کہا جائے گا، لیکن اختلاف اس مسئلے میں ہے کہ آیا انہیں کافر کہا جائے یا نہ کہا جائے؟ خوارج تو انہیں کافر تسلیم کرتے ہوئے اس کی جان ومال کو حلال قرار دیتے ہیں، اسی لئے انہوں نے علیؓ اور معاویہؓ اور ان کے اصحاب کو کافر قرار دیا، اور ان کی نسبت سے وہ تمام چیزیں حلال سمجھیں جو ایک کافر کے بنسبت حلال سمجھی جاتی ہیں۔

رہے معتزلی حضرات تو انہوں نے یہ کہا کہ مرتکب کبیرہ ایمان سے تو خارج ہے لیکن کفر میں داخل نہیں ہوتا، بلکہ وہ کفر وایمان کے درمیان ایک تیسری حالت میں ہوتا ہے ان کا یہ اصول ان اہم اصولوں میں سے ایک ہے جن پر مذہب اعتزال قائم ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

دونوں فریق اس بات پر بھی متفق ہیں کہ جو شخص بحالت کبیرہ مرجائے اور توبہ نہ کرے تو وہ مخلد فی النار ہوگا، چنانچہ ان کا اتفاق ان دو امور میں ہے۔

۱......مرتکب کبیرہ سے ایمان کی نفی۔

۲......کفار کے ہمراہ اس کا مخلد فی النار ہونا۔

البتہ دو جگہوں میں ان کے مابین اختلاف ہے۔ پہلا اختلاف یہ ہے کہ کیا مرتکب کبائر کو کافر تسلیم کیا جائے؟ اور دوسرا اختلاف یہ ہے کہ کیا مرتکب کبائر کے جان و مال کو حلال قرار دیا جائے؟ اس دوسرے اختلاف کا تعلق دنیوی حکم سے ہے۔

رہے مرجئہ تو ان کے موقف کی وضاحت گزر چکی ہے کہ ان کے نزدیک معصیت کے سبب ایمان میں کوئی نقص نہیں آتا چنانچہ ان کے نزدیک مرتکب کبائر مومن کامل ہے اور جہنم میں دخول کا مستحق نہیں ہے۔

اہل سنت والجماعت کا مذہب ان دونوں فرقوں کے مذاہب کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔ ان کے نزدیک مرتکب کبائر مومن تو ہے لیکن کامل نہیں بلکہ ناقص ایمان ہے، ارتکاب معصیت کے بقدر اس کے ایمان میں نقص ہے چنانچہ خوارج اور معتزلہ کی طرح یہ لوگ مرتکب کبیرہ سے ایمان کی بالکلیہ نفی نہیں کرتے، اور مرجئہ جہمیہ کی طرح اسے مومن کامل بھی نہیں مانتے، ان کے مذہب کے مطابق آخرت میں ان کا حکم یہ ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اول مرحلہ ہی میں اسے معاف کر کے جنت میں داخل کر دے، یا اس کی معصیت و گناہ کے بقدر عذاب دے پھر اسے جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کرے، اس کا یہ حکم بھی ان لوگوں کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے جو اس کے خلود فی النار ہونے کے قائل ہیں اور جو اس بات کے قائل ہیں کہ گناہ کے ارتکاب کے باوجود بھی وہ کسی سزا کا مستحق نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

صحابہ کرام کے متعلق اہل سنت ودیگر فرق کے عقائد

"وفی اصحاب رسول اللہصلی اللہعلیہ وسلم بین الرافضة والخوارج"

یہ بات معروف ومشہور ہے کہ روافض صحابہٗ کرام کو برا بھلا اوران پرلعنت وملامت کرتے ہیں، بسا اوقات جملہ اصحاب کرام یاان میں سے بعض کوکافر قرار دیتے ہیں، اس فرقے کے بہت سے غلو پسند حضرات صحابہٗ کرام کو برا بھلا کہنے کے ساتھ ساتھ علیؓ اوران کی اولاد کی شان میں غلو سے کام لیتے ہیں، یہاں تک کہ علی واولاد علی رضوان اللہ علیہم اجمعین میں الوہیت کا بھی اعتقاد رکھتے ہیں، یہ لوگ عبداللہ بن سبا کی قیادت میں علیؓ کی زندگی ہی میں ظاہر ہو چکے تھے۔

عبداللہ بن سبا ایک یہودی شخص تھا جس نے ظاہراً مسلمان ہوکر اسلام اور اہل اسلام کے خلاف سازش رچنا چاہی، جیسا کہ اس سے پہلے یہودی نصاری کے خلاف بھی سازش کر چکے ہیں اوران کے مذہب میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ نے روافض کے فتنے کے انسداد کے لئے انہیں آگ میں بھی جلایا جیسا کہ ان سے انکا ایک قول منقول ہے:

لمارأیت الأمر أمراً منکراً أججت ناری ودعوت قنبراً

یعنی جب میں نے معاملہ کو انتہائی ناپسندیدہ دیکھا تو میں نے آگ دہکائی اور میں کنیز (غلام) کو آواز دی۔

رہے خوارج تو یہ لوگ ان روافض کے مخالف ہیں چنانچہ انہوں نے علیؓ، معاویہؓ، اوران کے ساتھ دوسرے صحابہ کرام کو کافر قرار دیا، اوران کے ساتھ قتال کیا اوران کے جان ومال کو حلال سمجھا۔

رہے اہل سنت تو یہ لوگ ان دونوں فرقوں کی غلو پسندی اوران کی تقصیر کے مابین

میانہ روی اور اعتدال کے موقف پر قائم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کے اصحاب کے فضل کا اعتراف کرنے کی توفیق بخشی، صحابۂ کرام اس امت میں سب سے کامل ایمان والے نیز علم وحکمت کے اعتبار سے بھی سب سے آگے ہیں، انہوں نے ان کی شان میں نہ تو غلو سے کام لیا اور نہ ہی انہیں معصوم سمجھا بلکہ انہوں نے انہیں ان کا حق دیا، اسلام کی نصرت ومدد اور جہاد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کی مسابقت وپہل کی وجہ سے ان کے ساتھ اپنی محبت کا اظہار کیا۔

Www.IslamicBooks.Website

اللہ تعالیٰ کے لئے استواء علی العرش پر ایمان

اس فصل میں مؤلف نے اللہ تعالیٰ کے بلند اور جملہ مخلوقات سے الگ ہو کر اس کے عرش پر مستوی ہونے کی صراحت فرمائی ہے، جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق خبر دی ہے، نیز اس سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی تواتر کے ساتھ حدیث مروی ہے، اور اس پر اس امت کے ان سلف وصالحین کا اجماع بھی ہے جو کہ ایمان وعلم میں سب سے کامل ترین لوگ تھے، یہاں اس صراحت مزید کا مقصد اس سلسلے میں گذری گذشتہ باتوں کو مؤکد کرنے کے ساتھ شدت کے ساتھ منکرین استواء، جہمیہ، معتزلہ اور ان کے متبعین اشاعرہ کی نکیر کرنا ہے۔

پھر مؤلفؒ نے اس بات کی وضاحت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر مستوی ہونا مخلوق کے ساتھ اس کی معیت وقربت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس معیت کا معنی اختلاط اور حسی مجاورت نہیں، اسے ثابت کرنے کے لئے انہوں نے چاند کی مثال دی جو کہ آسمان میں بلند ہونے کے باوجود بھی مسافروں اور دوسرے افراد کے ساتھ بھی ہوتا ہے، خواہ وہ لوگ کہیں بھی رہیں سب کو روشنی دیتا ہے، جب چاند کی نسبت ایسا ممکن ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی سب سے چھوٹی مخلوق ہے تو اس ذات کی نسبت ایسا کیونکر ممکن نہیں ہو سکتا جو کہ بہت ہی باریک بین اور خبیر ہے جو اپنے علم اور اپنی وسعت کے لحاظ سے اپنے بندوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے، جو کہ شہید بھی ہے یعنی سب سے باخبر اور سب کی آواز کو سننے والا اور سب کچھ دیکھنے والا اور ہر قسم کے راز کی باتوں اور سرگوشیوں کا علم رکھنے والا بلکہ عرش سے لیکر فرش تک پوری کائنات، آسمان وزمین سب کا سب اس کے سامنے ہے ہمارے ہاتھ میں موجود بالکل چھوٹی سی ایک گولی کی طرح! جس کی اتنی بڑی شان ہو کیا اس ہستی کے لئے یہ کہنا جائز نہ ہوگا کہ وہ اپنی مخلوق پر بلند اور اپنے عرش پر مستوی ہونے کے باوجود بھی ان

Www.IslamicBooks.Website

کے ساتھ ہے؟ کیوں نہیں۔اس بلندی اور اس کی معیت پر بھی ایمان رکھنا واجب ہے اور اس بات کا اعتقاد رکھنا بھی واجب اور ضروری ہے کہ یہ سب کا سب صداقت پر مبنی اور سچ ہے، ایسا نہیں ہونا چاہیے کہ اس سلسلے میں کسی غلط فہمی میں پڑا جائے یا اسے کسی فاسد معنی پر محمول کیا جائے۔مثال کے طور پر اللہ کے قول ﴿وھو معکم﴾ کہ "وہ تمہارے ساتھ ہے" سے یہ سمجھا جانے لگے کہ یہاں معیت سے مراد امتزاج واختلاط کی معیت ہے جیسا کہ حلولیہ فرقہ کا دعوی ہے یا اللہ تعالیٰ کے قول ﴿فی السماء﴾ سے یہ سمجھ لیا جائے کہ آسمان اللہ تعالیٰ کا ظرف ہے جو اسے اٹھائے وسنبھالے ہوئے اور اس کو گھیرے ہوئے ہے۔اور یہ کیسے ممکن ہے جب کہ اس کی کرسی آسمان وزمین دونوں پر محیط ہے اور وسیع ہے۔اور وہی ہے جو اپنے حکم سے آسمان کو گرنے سے روکے ہوئے ہے، پاک ہے وہ ذات جس تک کسی وہم کرنے والے کا وہم نہیں پہونچ سکتا، اور دنیا کے لوگوں کی عقلیں بھی اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔

Www.IslamicBooks.Website

معیت الٰہی اس کے علو کے غیر منافی ہے

اللہ تعالیٰ نے خود کو جن صفات سے متصف فرمایا ہے ان پر ایمان لانا واجب ہے۔ان صفات میں سے ''قریب'' اور ''مجیب'' بھی ہے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ اس شخص سے قریب ہے جو اس سے مناجات ودعا کرتا ہے، اور اس شخص کی دعا ومناجات کو سن کر جب اور جیسے چاہتا ہے اس کی دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازتا ہے۔وہ قریب ہے اس کی قربت احاطہ اور علم کی بنیاد پر ہے۔جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿ولقد خلقنا الانسان ونعلم ماتوسوس به نفسه ونحن اقرب اليه من حبل الوريد﴾ ''اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور ہم خوب جانتے ہیں کہ اس کے دل میں کیسے خیالات گزرتے ہیں، اور ہم شہ رگ سے بھی زیادہ اس سے قریب ہیں''۔ (ق:١٦)

اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کتاب وسنت میں مذکور اس کی قربت ومعیت اور اس کے علو وفوقیت کے مابین کسی قسم کا کوئی تضاد وتصادم نہیں ہے۔یہ سب صفات اس کی ذات کے مناسب اور اس کے لائق ہیں، اس کی کسی بھی صفت میں کوئی اس کا ہم مثل نہیں ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

قرآن مجید کے متعلق اہل سنت اور دیگر فرق کے مواقف

مصنفؒ نے قرآن کے کلام الٰہی ہونے پر ایمان رکھنے کو ایمان باللہ میں داخل تسلیم کیا ہے۔ کیونکہ کلام اس کی صفت ہے چنانچہ اللہ پر ایمان اس کی صفت پر ایمان لائے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا۔ کلام متکلم کی صفت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس صفت سے متصف ہے کیونکہ وہ جب چاہتا ہے اور جیسا چاہتا ہے کلام کرتا ہے، اور وہ اس معنی میں ہمیشہ سے متکلم رہا ہے اور ہمیشہ متکلم رہے گا بھی کہ اس کا کلام نوع قدیم ہے اگرچہ کہ اس کا کلام انفرادی حیثیت سے یکے بعد دیگرے اس کی حکمت کے مطابق وجود میں آتا رہا ہے۔

پچھلے صفحات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ''کلام اللہ'' میں اللہ کی طرف کلام کی اضافت اضافت صفت الی موصوف کے قبیل سے ہے، معلوم ہوا کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس نے اس کے الفاظ ومعانی کے ساتھ اپنی ذاتی آواز میں حقیقی طور پر کلام کیا ہے، جو شخص اس بات کا دعویدار ہے کہ قرآن مخلوق ہے جیسا کہ معتزلی حضرات ایسا دعوی کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک بہت بڑا بہتان ہے اور اس کے کلام کو اس کا وصف حقیقی تسلیم کرنے سے انکار ہے اور قرآن کو مخلوق کی صفت تسلیم کرنے کے مترادف ہے، نیز لغت کی طرف منسوب کردہ ایک بے بنیاد بات ہے کیونکہ لغت میں کہیں بھی ایسا اصول نہیں کہ جس کی رعایت سے متکلم کو خالق کلام کے معنی میں تسلیم کیا جاسکے۔

اور جن حضرات کا خیال یہ ہے کہ ہمارے درمیان موجود ''قرآن مجید'' کلام اللہ کی حکایت ہے جیسا کہ ''کلابیہ'' کہتے ہیں، یا جو اس خیال کے حامل ہیں کہ ''قرآن'' الٰہی کلام کی تعبیر ہے جیسا کہ اشعری کہتے ہیں تو ان کا خیال معتزلہ کے نصف خیال سے مطابقت رکھتا ہے وہ اس طرح کہ انہوں نے الفاظ اور اس کے معانی کے درمیان تفریق کرتے ہوئے الفاظ کو مخلوق اور ان کے معانی کو صفت قدیم سے عبارت تسلیم کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

جیسا کہ نصاریٰ نے اپنے اس قول میں کیا ہے کہ ''لاھوت'' جو کہ کلمہ ہے ''ناسوت'' یعنی جسد عیسیٰؑ میں داخل ہوگیا...... چنانچہ انہوں نے جب یہ کہا کہ معانی جو کہ قدیم صفت ہیں ان الفاظ میں حلول کر گئے جو کہ مخلوق یعنی پیدا شدہ ہیں، تو اس صورت میں انہوں نے الفاظ کو ''ناسوت'' کے درجے میں رکھ دیا۔

قرآن میں جیسے بھی تصرف کیا جائے وہ اللہ کا کلام ہی رہے گا خواہ اسے مصاحف میں لکھیں یا اپنی زبان سے اس کی تلاوت کریں تو بھی وہ کلام اللہ ہونے سے خارج نہ ہوگا۔ کیونکہ کلام کی نسبت، جیسا کہ مصنف نے بیان کیا، اسی کی جانب کی جاتی ہے جس نے اسے پہلی مرتبہ کہا ہو، اس شخص کی طرف اسے منسوب نہیں کیا جاتا جس نے صرف نقل کر کے پہونچا دیا ہو۔

سلف کے قول ''منه بدأو اليه يعود'' کے تعلق سے یہ بات عرض ہے کہ اس کا پہلا جزو ''بـــدأ'' سے مشتق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابتداءً اللہ ہی نے اس کے ذریعے کلام کیا کسی اور کی جانب سے اس کی ابتدا نہیں ہوئی ہے۔ یہ لفظ ''بـــــدو'' سے بھی مشتق مانا جاسکتا ہے جس کا معنی ہے ظاہر ہونا، مطلب یہ ہوگا کہ وہی ہے جس نے اس کے ذریعے کلام کیا اور جس کی جانب سے اس کلام کا ظہور ہوا اس کے سوا کسی اور کی جانب سے نہیں۔ اور ''والیہ یعود'' کا مطلب یہ ہے کہ یہ اس کا وصف ہونے کے سبب دوبارہ اسی کی طرف لوٹ جائے گا کیونکہ اس کا وصف اس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ آخری زمانے میں جب قرآن مصاحف اور سینوں سے اٹھا لیا جائے گا تو اسی کی طرف واپس لوٹ جائے گا۔ جیسا کہ علامات قیامت کے باب میں بیان کیا جاتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ قرآن کے کلام اللہ ہونے پر ایمان رکھنا ایمان بالکتب میں داخل ہے تو ان پر ایسا صحیح ایمان رکھنا ضروری اور واجب ہے جس میں ایک بندہ اس بات پر ایمان رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کتابوں کے الفاظ اور ان کے معانی کے ذریعے کلام کیا ہے اور یہ مکمل اسی کا کلام ہے کسی اور کا نہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے توریت کے ذریعے بزبان عبرانی اور انجیل کے ساتھ بزبان سریانی اور قرآن کے ذریعے واضح عربی زبان میں کلام کیا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

رؤیت عامہ

اس کے بعد مؤلف نے دیدار الٰہی کے تعلق سے گفتگو کی ہے اور اس تعلق سے گفتگو پچھلے صفحات میں گزر چکی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ مومنین جنت میں اپنے رب کا دیدار کریں گے، جیسا کہ اس پر بہت ساری آیات واحادیث دال ہیں، یہاں دوبارہ اس گفتگو کو دہرانے کی چنداں ضرورت نہیں ہے، البتہ یہاں ایک بات ذکر کر دینا ضروری ہے کہ مصنف کے اس قول: "یرونه سبحانه وهم فی عرصات القیامة" سے یہ اشتباہ پیدا ہو رہا ہے کہ یہ رؤیت بھی صرف مومنین کے لئے خاص ہے جب کہ ایسا نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ رویت عمومی ہے جو سب کے لئے عام ہے اور یہ اس وقت ہوگی جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فیصلہ کی غرض سے آئے گا، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿هل ینظرون الا أن یأتیهم الله فی ظلل من الغمام﴾

"یہ لوگ بس اسی کا انتظار کر رہے ہیں کہ ان کے پاس اللہ بادل کے سائبان میں آجائے" (البقرۃ: ۲۱۰)

عرصات عرصۃ کی جمع ہے اس کا اطلاق ہر اس کشادہ جگہ پر ہوتا ہے جہاں کوئی عمارت نہ ہو۔

Www.IslamicBooks.Website

ایمان بالآخرۃ

چونکہ آخرت کے دن پر ایمان ان چھ ارکان میں سے ایک ہے جن پر ایمان کا دارومدار ہے اس پر مکمل اور پورے طور پر ایمان رکھنا واجب ہے، ایک بندے کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہوسکتا جب تک کہ امور غیب سے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی ان خبروں پر ایمان نہ لائے جو موت کے بعد واقع ہونے والی ہیں، اس سلسلے میں ضابطہ یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں ان ممکنہ امور میں سے ہیں جن میں آپ نے خبر دی ہے اور ہر وہ ممکن امر جس کی خبر آپ نے دی ہو اس کے واقع ہونے پر ایمان لانا واجب ہے اوران تمام امور کا علم احادیث رسول سے ہی ہوتا ہے، چنانچہ اہل سنت والجماعت ان تمام امور پر ایمان رکھتے ہیں۔

رہے فلاسفہ اور معتزلہ سے نسبت رکھنے والے گمراہ اور ملحد حضرات تو یہ ان تمام امور مثلاً قبر میں ہونے والے سوال، قبر میں ملنے والی نعمتیں اوراس کا عذاب، پل صراط اور میزان وغیرہ سب کے منکر ہیں۔ ان تمام امور کا انکار انہوں نے اپنے اس دعوے کی بنیاد پر کیا ہے کہ ان تمام کو عقل تسلیم نہیں کرتی۔ ان کے پاس عقل ہی حاکم اول اور معیار اصلی ہے، اس معیار پر پرکھنے کے بعد ہی ان کے نزدیک کسی شئ پر ایمان ممکن ہوسکتا ہے، نیز یہ لوگ ان ایمانیاتی امور کے سلسلے میں واردشدہ احادیث رسول کو بھی محض اس دعوے کی بنیاد پر رد کردیتے ہیں کہ یہ آحاد یعنی خبر واحد ہیں ان کے نزدیک اعتقادات کے باب میں ان پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں وارد آیات کا تو ان کی بھی تاویل کرنے سے یہ لوگ باز نہیں آتے انہیں حقیقی ومرادی معانی ومفہوم سے محرف کردیتے ہیں۔

مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت فتنۂ قبر پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی اس فتنے پر جو کہ قبر کے اندر ہوگا، فتنہ کا لغوی معنی ہے سونا یا اس کے مثل کسی دوسری دھات کو پگھلا

کر کھوٹا کھرا معلوم کرنا۔ پھر اس لفظ کا استعمال امتحان و آزمائش کے معنی میں ہونے لگا۔

عذاب قبر اور اس کی نعمتوں کا اثبات اس آیت سے ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے متعلق ذکر کیا ہے: ﴿النار یعرضون علیها غدوا وعشیا﴾ ''وہ لوگ صبح وشام نار جہنم کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں'' (المومن:۴۶)

اور اس آیت کریمہ میں بھی اس کی دلیل موجود ہے جو قوم نوح کے سلسلے میں نازل ہوئی: ﴿مما خطیئاتهم أغرقوا فأدخلوا نارا﴾ ''وہ تمام کے تمام اپنے گناہوں کے سبب ڈبو دیئے گئے پھر آگ میں ڈال دیئے گئے۔'' (نوح:۲۵)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس سلسلے میں یوں مروی ہے: ''قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔''

متن میں موجود لفظ ''المرزبة'' کا معنی ہے بڑا ہتھوڑا۔ اسے ارزبة بھی کہا جاتا ہے۔ مؤلفؒ فرماتے ہیں ''اور قیامت قائم ہوگی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب اور اپنے رسول کے ذریعہ خبر دی ہے.........۔''

یہاں قیامت سے مراد قیامت کبریٰ ہے، قیامت صفت ''کبریٰ'' کے ساتھ ذکر کرنے سے مقصود اس کی تخصیص ہے کہ اس سے مراد قیامت صغریٰ نہیں جو کہ موت کے وقت ہوتی ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے: ''من مات فقد قامت قیامته'' جو مر گیا تو اس کی قیامت آچکی۔

Www.IslamicBooks.Website

قیامت کبریٰ کا بیان

قیامت کبریٰ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اس دنیا کو نیست ونابود کرنے کا ارادہ کرے گا تو اسرافیلؑ کو پہلی مرتبہ صور میں پھونک مارنے کا حکم دے گا، جس کے نتیجے میں آسمان وزمین کی ہر مخلوق بے ہوش ہوجائے گی سوائے اس کے جسے اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ بے ہوش نہ ہوگا، زمین چٹیل میدان کے مانند، پہاڑ ریت کے ٹیلے کے مانند ہوجائیں گے، پھر وہ چیز ظاہر ہوگی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بالخصوص سورۂ تکویر اور انفطار میں ذکر فرمایا ہے۔ یہی اس دنیا کا آخری دن ہوگا، پھر اللہ تعالیٰ آسمان کو حکم دے گا تو اس سے مردوں کے مادۂ منویہ کی شکل کی بارش ہوگی جو چالیس دن تک جاری رہے گی جس کے سبب لوگ اپنی اپنی قبروں میں عجب الذنب (ریڑھ کی ہڈی) سے مثل سبزہ کے اگنے شروع ہوں گے، ہر انسان بوسیدہ ہوچکا ہوگا سوائے اس پچھلی ہڈی کے۔ حتی کہ جب اللہ تعالیٰ ان کی تخلیق وترکیب مکمل کرلے گا تو دوسری مرتبہ صور میں پھونک مارنے کا حکم دے گا، جس کے سبب لوگ اپنی اپنی قبروں سے زندہ ہوکر کھڑے ہوجائیں گے۔ کافر ومنافق کہیں گے: ''﴿یاویلنا من بعثنا من مرقدنا﴾ ہائے ہماری بدبختی کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اٹھادیا؟''۔ (یٰسین:۵۲)

اور مومن لوگ کہیں گے: ﴿ھذا ما وعد الرحمٰن وصدق المرسلون﴾ ''رحمٰن نے اسی کا تو وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔'' (یٰسین:۵۲)

پھر فرشتے انہیں ننگے پیر ننگے بدن اور غیر مختون ہونے کی حالت میں جمع کرکے میدان حشر کی طرف لے جائیں گے۔ حدیث کے بیان کے مطابق قیامت کے دن سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے، میدان حشر میں سورج بالکل لوگوں کے سر کے قریب ہوگا چنانچہ لوگ اپنے اپنے عمل کے اعتبار سے پسینے میں

Www.IslamicBooks.Website

شرابور ہوں گے، بعض کے ٹخنوں تک ،بعض کے گھٹنوں تک ،بعض کے سینوں تک اور بعض کی پسلی کی ہڈی تک پسینہ بہہ رہا ہوگا، اور کچھ لوگ اللہ رب العزت کے سایہ تلے ہوں گے لوگ جب بالکل پریشان ہو جائیں گے تو انبیاء اور رسولوں سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں سفارش کرنے کی درخواست کریں گے کہ اللہ انہیں ان کی اس مصیبت سے نکال دے، لیکن یکے بعد دیگرے تمام انبیاء ورسل ان سے عذر کریں گے حتی کہ لوگ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں گے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات مان لیں گے اور سفارش کے لئے تیار ہو جائیں گے، اوران کی سفارش بھی کریں گے، پھر لوگوں کو فیصلہ اور حساب وکتاب کے لئے لیجایا جائے گا وہاں پر میزان (ترازو) نصب کئے جائیں گے جن میں بندوں کے اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ اور یہ میزان حقیقی میزان ہوگا، ہر ایک کا ایک دستہ اور دو پلڑے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے اعمال کو جو کہ اعراض کی شکل میں ہیں ایسے اجسام میں بدل دے گا جن کا وزن ہوگا، چنانچہ ایک پلڑے میں نیکیاں تو دوسرے پلڑے میں برائیاں رکھی جائیں گی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ونضع الموازين القسط ليوم القيامة فلا تظلم نفس شيئاً وان كان مثقال حبة من خردل أتينا بها وكفىٰ بنا حاسبين﴾ ''اور قیامت کے دن ہم عدل وانصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے پس کسی آدمی پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی کوئی عمل ہوگا تو ہم اسے سامنے لائیں گے اور ہم حساب لینے کے لئے کافی ہیں''۔ (الانبیاء:۴۷)

پھر دواوین یعنی اعمال کے دفتر تقسیم ہوں گے، جس کا نامۂ اعمال اس کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا تو اس کا حساب آسان ہوگا اور اپنے اہل میں خوشی خوشی جائے گا، لیکن جس کا نامۂ اعمال اس کے بائیں ہاتھ میں یا پیٹھ کے پیچھے سے دیا جائے گا تو وہ تباہی وبربادی کو آواز دے گا اور جہنم میں ڈھکیل دیا جائے گا، وہ شخص کہے گا: ﴿يا ليتني لم أوت كتابيه ولم ادر ماحسابيه﴾ ''اے کاش! مجھے میرا نامۂ اعمال نہ دیا گیا

Www.IslamicBooks.Website

ہوتا، اور مجھے معلوم نہ ہوتا کہ میرا حساب کیا ہے۔" (الحاقة: ۲۵،۲۶)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ووضع الکتاب فتری المجرمین مشفقین مما فیه ویقولون یاویلتنا مالهذا لکتاب لایغادر صغیرة ولا کبیرة الا أحصاها ووجدوا ماعملوا حاضرا ولا یظلم ربک أحدا﴾ "اور نامۂ اعمال سامنے لایا جائے گا تو اس میں موجود بداعمالیوں کی وجہ سے تم مجرموں کو خوف زدہ دیکھو گے، وہ کہیں گے: اے ہماری بد نصیبی! اس کتاب کو کیا ہو گیا ہے کہ اس نے چھوٹے بڑے کسی گناہ کو بھی بغیر شمار کئے نہیں چھوڑا اور انہوں نے دنیا میں جو کچھ کیا ہوگا سامنے پائیں گے اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔" (الکهف : ۴۹)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿وکل انسان الزمناه طائره فی عنقه﴾ "اور ہم نے ہر آدمی کا نامۂ اعمال اس کی گردن میں لٹکا دیا ہے۔" (الاسراء : ۱۳)

امام راغب فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کا عمل ہے جو اس کی طرف سے صادر ہوتا ہے خواہ وہ اچھا ہو یا برا، لیکن بظاہر یہاں "طائر" سے اس دنیا کے اندر کا اس کا نصیب اور اس میں اس کے لئے مقرر کردہ رزق اور عمل مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں ہے:﴿ اولئک ینالهم نصیبهم من الکتاب﴾ یعنی "لوح محفوظ میں ان کے نصیب کا جو لکھا ہے وہ انہیں مل جائے گا" (الاعراف : ۳۷)

مؤلفؒ فرماتے ہیں: "اور اللہ تعالیٰ مخلوقات سے حساب و کتاب لے گا۔"

اس محاسبہ سے مراد یہ ہے کہ انہیں اور ان کے آباء واجداد کو ان کے اچھے اور برے اعمال یاد دلائے گا، جن کو اس نے شمار کر رکھا ہے جب کہ یہ لوگ بھول بیٹھے تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:﴿ ثم الی ربهم مرجعهم فینبئهم بما کانوا یعملون﴾ "پھر انہیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے پس وہ انہیں ان کے اعمال کی خبر دے گا"

(الانعام:۱۰۸)

اور صحیح حدیث میں مذکور ہے "جس کا حساب سخت ہوا تو اسے عذاب دیا جائیگا"

Www.IslamicBooks.Website

عائشہ رضی اللہ عنہا نے آپ سے سوال کیا: اے اللہ کے رسول کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا﴿فسوف یحاسب حسابا یسیراً﴾ ''سو ان کا حساب آسان ہوگا۔'' (الانشقاق:۸)

تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا: ''اس سے مراد تو بندوں پر ان کے اعمال کو پیش کر دینا ہے لیکن جس سے سخت باز پرس کیا گیا وہ ہلاک ہو جائے گا۔'' (متفق علیہ)

مؤلفؒ آگے فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو خلوت میں بلائے گا اور ان سے اپنے گناہوں کا اقرار کرائے۔

چنانچہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ایک روایت منقول ہے، فرماتے ہیں: ''مومن بندہ اللہ سے قریب ہوگا اور اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہوئے اس کا محاسبہ کرے گا، پھر بندہ اپنے گناہوں کا اعتراف کر لے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا کیاں تم نے فلاں دن فلاں کام نہیں کیا تھا؟ کیا تم نے فلاں دن فلاں عمل نہیں کیا؟ حتیٰ کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا جائے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ اب ہلاکت سے بچ نہیں سکتا، لیکن اللہ تعالیٰ اس سے کہے گا: ''میں نے دنیا میں تم پر پردہ ڈال دیا تھا اور آج بھی تمہیں معاف کرتا ہوں۔''

کفار کے اعمال

کفار کے تذکرے میں صاحب کتاب نے فرمایا: ''اور کافروں سے حساب وکتاب ان کے اعمال کو ترازو میں تول کر نہیں کیا جائے گا کیونکہ ان کے پاس سوائے گناہ کے کوئی نیکی نہ ہوگی، ہاں! ان کے اعمال کا شمار کیا جائے گا انہیں ان سے آگاہ کیا جائے گا اور اقرار کروایا جائے گا۔

قیامت کے دن کفار کے پاس کوئی نیکی نہ ہوگی، اس کی دلیل ہے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان:

﴿وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباءً منثوراً﴾

Www.IslamicBooks.Website

"اورانہوں نے دنیا میں جو عمل کیا ہوگا ہم اس کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسے اڑتا ہوا غبار بنا دیں گے۔" (الفرقان:۲۳)

دوسری جگہ اس کا فرمان ہے ﴿مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرماد اشتدت به الريح في يوم عاصف لايقدرون مما كسبوا على شئ﴾ "جن لوگوں نے اپنے رب کا انکار کر دیا ان کے اعمال کی مثال اس راکھ کی ہے جسے ایک تیز آندھی کے دن ہوا اڑا کر لے جائے، اپنی کمائی کا کچھ بھی حصہ نہ بچا سکیں گے۔"

(ابراہیم : ۱۸)

صحیح اور درست بات یہ ہے کہ خیر کے وہ اعمال جنہیں کفار انجام دیتے ہیں اس دنیا میں ہی ان کا بدلہ دے دیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جب قیامت کے دن وہ آئیں گے تو اپنی نیکیوں کا صحیفہ بالکل خالی پائیں گے۔

ایک رائے یہ بھی ہے کہ کافروں کی نیکیاں کفر کے علاوہ دوسرے گناہوں کے عذاب کو ہلکا کر دیں گی۔

حوض کوثر کا بیان

اس کے بعد مؤلفؒ نے حوض کوثر کا ذکر کیا ہے، اس حوض کے سلسلے میں وارد احادیث حد تواتر تک پہونچی ہوئیں ہیں، تقریباً تیس سے زائد صحابہ کرام سے یہ احادیث مروی ہیں۔ اس حوض کا منکر قیامت کے دن اس کے ذریعے سیراب ہونے سے محروم ہوسکتا ہے جب کہ وہ شدید پیاس کا دن ہوگا۔ حدیث میں آتا ہے کہ: ہر نبی کو ایک حوض دیا گیا ہے لیکن ہمارے نبی کا حوض وسعت کے اعتبار سے سب سے بڑا اور اس کا پانی سب سے زیادہ میٹھا اور اس کے ذریعے سے سیراب ہونے والے لوگ بھی سب سے زیادہ ہوں گے۔...... اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں اس حوض سے سیراب ہونے والوں میں جگہ دے۔

Www.IslamicBooks.Website

پل صراط کا بیان

یہاں مؤلفؒ صراط کا تذکرہ کررہے ہیں۔اس کا لغوی معنی ہے کشادہ راستہ اس کو صراط کہنے کی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ راستہ پر چلنے والے کو راستہ نگل لیتا ہے۔اس لفظ کا استعمال معنوی راستے کے لئے بھی ہوتا ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:﴿ وأن هـذا صراطی مستقیماً فاتبعوه﴾ ''اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے سو تم اسی کی پیروی کرو۔''
(الانعام:۱۵۳)

آخرت کا صراط جو کہ جنت وجہنم کے درمیان جہنم کی پشت پر پھیلا ہوا ایک پل ہے اس کا بلا شک وشبہ حقیقی وجود ہے کیونکہ اس کے اثبات کے سلسلے میں بہت سی احادیث مروی ہیں جو شخص اس دنیا میں اللہ کے اس راستے پر جو کہ اس کا سچا اور خالص دین ہے ثابت قدم رہا تو وہ آخرت میں موجود اس راستے پر بھی ثابت قدم رہے گا، حدیث میں پل صراط کی ہیئت یوں بیان ہوئی ہے کہ یہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے بھی زیادہ تیز ہوگا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند خصائص

یہاں مؤلفؒ نے تمام انبیائے کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس بات کا تذکرہ کیا ہے کہ سب سے پہلا شخص جو جنت میں دروازہ کھلوائے گا وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرد ہوں گے جو در جنت کے حلقے کو کھلوانے کے لئے اس پر دستک دیں گے، جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''روز قیامت میں تمام انسانوں کا سردار ہوں گا اور اس پر مجھے کوئی فخر نہیں، میں سب سے پہلے اپنی قبر سے باہر آؤں گا اس پر بھی مجھے کوئی فخر نہیں، میں ہی سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دوں گا پھر اس میں داخل ہو جاؤں گا پھر

Www.IslamicBooks.Website

اس میں میرے ساتھ میری امت کے فقراء داخل ہوں گے۔“

یعنی انبیاء اور رسولوں کے داخلے کے بعد اس امت کے فقراء جنت میں سب سے پہلے داخل ہوں گے۔

شفاعت کا بیان اور منکرین کا رد

اس کے بعد مؤلف ؒ نے شفاعت کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ”آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قیامت کے دن تین طرح کی شفاعتیں ہوں گی۔“

شفع کا لغوی معنی ہے ”جوڑنا اور ضم کر دینا“ سفارش کرنے والے کو شافع کہنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی طلب و درخواست کو اس شخص کی طلب و درخواست کے ساتھ ملا دیتا ہے جس کے لئے وہ سفارشی بنتا ہے۔

شفاعت وسفارش کتاب وسنت سے ثابت شدہ امور میں سے ہے اس کے اثبات کے سلسلے میں وارد احادیث متواتر ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے: ﴿من ذاالذی یشفع عندہ الا باذنہ﴾ ”کون ہے جو اس کی جناب میں بغیر اس کی اجازت کے کسی کے لئے سفارش کرے۔“

یہاں آیت میں بلا اجازت شفاعت کی نفی سے یہ بات ثابت ہو رہی ہے کہ اجازت کے بعد شفاعت کا وجود ممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے:

﴿وکم من ملک فی السماوات لاتغنی شفاعتھم شیئا الا من بعد أن یأذن اللہ لمن یشاء ویرضیٰ﴾

”اور آسمانوں میں بہت سے فرشتے ہیں جن کی سفارش کچھ کام نہیں آئے گی، مگر اللہ کی اجازت کے بعد، جس کے لئے وہ چاہے گا اور سفارش کو پسند کرے گا۔“ (النجم:۲۶)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے شفاعت صحیحہ کا تذکرہ فرمایا ہے اور شفاعت صحیحہ وہ ہے جو اللہ کی اجازت کے بعد اس شخص کے حق میں ہوگی جس کے قول وعمل سے وہ راضی ہو جائے گا۔

Www.IslamicBooks.Website

جہاں تک سوال ہے ان تمام آیات کا جن کے ذریعے خوارج اور معتزلہ شفاعت کی نفی اور اس کے عدم وجود پر استدلال کرتے ہیں۔ مثلاً:

اللہ تعالیٰ کا یہ قول ﴿فما تنفعهم شفاعة الشافعين﴾

''پس شفاعت کرنے والوں کی شفاعت ان کے کام نہیں آئے گی''۔ (المدثر: ۴۸)

﴿ولا يقبل منها عدل ولا تنفعها شفاعة﴾

''اور نہ کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش کام آئے گی''۔ (البقرہ: ۱۲۳)

﴿فما لنا من شافعين﴾

''ہمارے لئے کوئی سفارش کرنے والا نہیں'' (الشعراء)

تو ان تمام آیات میں جس شفاعت کی نفی کی گئی ہے وہ ہے مشرکین کے حق میں شفاعت، نیز اس میں اس شفاعت کی بھی نفی کی گئی ہے جسے مشرکین اپنے بتوں کے لئے اور نصاریٰ عیسیٰؑ اور اپنے راہبوں کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ اس کا تعلق اس شفاعت سے ہے جو اللہ تعالیٰ کی اجازت اور اس کی مرضی سے نہ ہو۔

مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ ''پہلی شفاعت، میدان حشر میں حساب وکتاب اور فیصلہ شروع کرنے کے سلسلے میں ہوگی۔'' یہ وہ شفاعت ہے جسے شفاعت عظمیٰ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، اور یہی وہ مقام محمود ہے جس پر تمام انبیاء کو رشک ہے اور یہی ہے وہ مقام جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کرنے کا اپنے اس قول میں وعدہ کیا ہے: ﴿عسىٰ أن يبعثك ربك مقاماً محموداً﴾ ''امید ہے کہ تمہارا رب تمہیں مقام محمود پر پہونچادے گا۔'' (الاسراء : ۷۹)

یعنی ایک ایسا مقام جس کی وجہ سے میدان حشر میں موجود تمام لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے کہ ہم جب اذان سنیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے کے بعد یہ کہیں:

''اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة

Www.IslamicBooks.Website

والفضيلة وابعثه مقاماً محموداً الذی وعدته"

"اے اللہ! اس پوری دعا اور کھڑی ہونے والی نماز کے رب، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ اور فضیلت عنایت فرما، اور انہیں اس مقام محمود میں بھیج جس کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے۔"

مؤلفؒ فرماتے ہیں: "دوسری شفاعت اہل جنت کے لئے ہوگی تاکہ انہیں اس میں داخلے کی اجازت دی جائے" .... یعنی یہ لوگ اگر چہ کہ دخول جنت کے مستحق ہو چکے ہوں گے لیکن انہیں اس میں داخلے کی اجازت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کے بعد ہی ملے گی۔

مؤلفؒ کہتے ہیں کہ "یہ دونوں شفاعتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے مخصوص ہیں" .... یعنی ایک شفاعت میدان حشر میں موجود لوگوں کے حق میں اور دوسری اہل جنت کے لئے تاکہ وہ اس میں داخل ہو جائیں۔ اور انہی دونوں شفاعتوں میں ایک تیسری شفاعت بھی شامل ہے اور یہ بعض مشرکین سے ان کے عذاب میں تخفیف کرنے کے سلسلے میں ہوگی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کے حق میں شفاعت کریں گے چنانچہ وہ آگ کے ایک ہلکے سے حصے میں ہوں گے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے۔

مؤلفؒ آگے فرماتے ہیں: "تیسری شفاعت ان مومن بندوں کے حق میں ہوگی جو اپنے گناہوں کے سبب جہنم میں جانے کے مستحق ہو چکے ہوں گے" .... یہی وہ شفاعت ہے جس کا معتزلہ اور خوارج انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کا مسلک یہ ہے کہ جو جہنم کا مستحق ہو گیا تو وہ اس میں ضرور داخل ہو کر رہے گا اور جو جہنم میں داخل ہو گیا تو اس سے باہر نہیں نکل سکتا نہ تو شفاعت کے ذریعے سے اور نہ ہی کسی اور ذریعے سے۔ جب کہ متواتر احادیث ان کے اس خیال کی تردید اور ان کے اس موقف کو باطل قرار دے رہی ہیں۔

مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ: "وہ تمام اصناف جو دار آخرت سے متعلق ہیں مثلاً حساب و کتاب، ثواب و عذاب، جنت جہنم وغیرہ پر (ان پر ایمان لانا چاہئے) ان کی تفصیلات کا ذکر آسمانی کتابوں اور انبیاء سے مروی علوم و معارف موجود ہے، اور آپ صلی

Www.IslamicBooks.Website

اللہ علیہ وسلم سے منقل علم میں اس سلسلے میں شافی اور کافی باتیں موجود ہیں، جو اسے پڑھے اسے اطمینان وسکون نصیب ہو کر رہے گا۔“

یہ بات واضح رہے کہ اعمال کی جزا اور اس کا بدلہ خواہ اعمال اچھے ہوں یا برے عقل کے ذریعے ثابت ہے بالکل اسی طرح جس طرح سماع سے، اس سے اللہ نے اپنی کتاب میں بہت سی جگہوں پر آگاہ کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أفحسبتم أنما خلقناکم عبثا وأنکم الینا لاترجعون﴾ ”کیا تم یہ گمان کئے بیٹھے ہو کہ ہم نے تمہیں بے کار پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف دوبارہ لوٹائے نہیں جاؤ گے“ (المومنون:۱۱۵)

﴿أیحسب الانسان أن یترک سدیً﴾

”کیا انسان گمان کرتا ہے کہ اسے بے کار چھوڑ دیا جائے گا“ (القیامة:۳۶)

اس کی وجہ یہ ہے کہ حکیم کی حکمت کے لئے یہ زیبا نہیں کہ لوگوں کو بے کار و بے مقصد چھوڑ دے، نہ تو انہیں کسی کام کا حکم دے اور نہ کسی چیز سے روکے، اور اسی طرح نہ تو انہیں ثواب دے اور نہ ہی مواخذہ کرے، نیز اس کے عدل اور اس کی حکمت کو بھی یہ بات زیب نہیں دیتی کہ مومن اور کافر، نیک اور فاجر سب کو ہم پلہ اور ایک درجہ کا بنادے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أم نجعل الذین آمنوا وعملوا الصالحات کالمفسدین فی الأرض أم نجعل المتقین کالفجار﴾ ”کیا ہم ایمان اور عمل صالح کرنے والوں کو ان لوگوں جیسا بنادیں گے جو زمین میں فساد پھیلانے والے ہیں ، یا ہم اللہ سے ڈرنے والوں کو فاجروں جیسا بنادیں گے۔“ (ص : ۲۸)

چنانچہ عقل سلیم اسے تسلیم ہی نہیں کرتی بلکہ شدت کے ساتھ اس کا انکار کرتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں مطیع وفرماں برداروں کی عزت اور ان کا اکرام کر کے اور سرکش لوگوں کو ذلیل ورسوا کر کے انہیں اپنے اس اصول سے آگاہ کر دیا ہے، جہاں تک سوال ہے جزاؤں کی تفاصیل اور ان کی مقدار کا تو اس کا ادراک صرف سمع سے ہی ممکن ہے اور ان روایات سے جو اس نبی معصوم سے منقول ہیں جو اپنی رائے سے کبھی نہیں بولتا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

Www.IslamicBooks.Website

تقدیر پر ایمان اور اس کے درجات

بھلی و بری تقدیر کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان ان چھ امور میں سے ایک ہے جن پر ایمان کی بنیاد کا دارومدار ہے۔ جیسا کہ حدیث جبریل اور اس کے علاوہ دوسری احادیث سے ثابت ہے نیز اس کے اثبات کے سلسلے میں کتاب اللہ کی آیات بھی بالکل واضح اور صریح ہیں۔

مؤلف ؒ نے بیان کیا کہ ایمان بالقدر کے دو درجات ہیں اور دونوں میں سے ہر ایک دو چیزوں پر مشتمل ہے۔ درجہ اول جس پہلی چیز پر مشتمل ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کے قدیم اور تمام اشیاء کا احاطہ کرنے والے علم کا اثبات، اللہ تعالیٰ اپنے اس علم قدیم کے ذریعہ جس سے وہ ازلی اور ابدی طور پر موصوف ہے مخلوق کے آئندہ اعمال سے آگاہ تھا۔ اس کا تعلق انہیں امور سے ہے جسے وہ ازلی طور پر جانتا ہے، مخلوق کے جملہ احوال خواہ ان کا تعلق طاعات سے ہو یا معاصی سے، خواہ ان کا تعلق مخلوق کے رزق سے ہو یا ان کی مقررہ مدت سے، وہ سب کے تعلق سے علم رکھتا ہے۔ چنانچہ اعیان و اوصاف کے سلسلے میں پائی جانے والی ہر شئی اور واقع ہونے والا ہر فعل اور ہر واقعہ یہ سب اسی کیفیت کے مطابق ہیں جسے وہ ازلی طور پر جانتا ہے۔

دوسری چیز یہ ہے کہ اس نے ان سب کو لکھ رکھا ہے اور لوح محفوظ میں ریکارڈ کر رکھا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی تقدیروں، موجودات کی قسموں اور ان کی کیفیات نیز ان کے تحت ہونے والے تمام احوال و اوصاف و افعال اور ہر قسم کے چھوٹے اور بڑے امور وغیرہ ان تمام سے واقف اور باخبر ہونے کے ساتھ ساتھ اپنی قلم کو انہیں لکھ رکھنے کا بھی حکم دے چکا ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی تقدیروں کو آسمان و زمین کی تخلیق سے پچاس ہزار سال پہلے ہی مقرر و متعین کر رکھا ہے اس کا عرش اس وقت پانی پر تھا۔''

Www.IslamicBooks.Website

اور اس حدیث میں جسے مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ نے سب سے پہلے قلم کی تخلیق فرمائی، پھر اس نے اس سے کہا: لکھ دے! قلم نے پوچھا: ''کیا لکھوں؟'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہر وہ شئ لکھ دے جو قیامت تک واقع ہونے والی ہے'' ....

''اول ماخلق الله القلم '' میں ''اول'' ظرفیت کی بنیاد پر نصب ہے اس میں عامل ''قال'' ہے اسے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ''اول'' مبتدا اور ''القلم'' اس کی خبر ہوگی۔

علماء کے درمیان عرش اور قلم کو لیکر اختلاف ہے کہ ان دونوں مین پہلے کس کی تخلیق ہوئی۔ علامہ ابن القیم نے اس سلسلے میں دو قول بیان کئے ہیں اور یہ موقف اختیار کیا ہے کہ قلم سے پہلے عرش کی تخلیق ہوئی ہے۔ فرماتے ہیں:

والناس مختلفون فی القلم الذی کتب القضاء به من الدیان
هل کان قبل العرش أو هو بعده قولان عند أبی العلا الهمدانی
والحق أن العرش قبل لأنه وقت الکتابة کان ذا أرکان
وکتابة القلم الشریف تعقبت ایجاده من غیر فصل زمان

''اس قلم کے سلسلے میں لوگ مختلف فیہ ہیں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقدیر لکھی گئی کہ آیا اس کی تخلیق عرش سے پہلے ہے یا اس کے بعد، ابو العلا الہمدانی کے نزدیک اس سلسلے میں دو قول ہیں، صحیح بات یہ ہے کہ عرش کی تخلیق قلم سے پہلے ہے کیونکہ کتابت تقدیر کے وقت یہ پہلے سے موجود تھا اور قلم کی کتابت اس کے بعد عمل میں آئی البتہ تخلیق عرش کے فوراً بعد اس کی تخلیق ہوئی۔''

قلم جب قیامت تک واقع ہونے والی ہر شئ لکھ چکا ہے تو کائنات میں جو کچھ بھی ظاہر و واقع ہوتا ہے تو وہ لوح محفوظ میں مکتوب کے مطابق ہی ہوتا ہے، گویا انسان نے جو کچھ درست کیا اسے غلط نہیں کر سکتا تھا اور جو کام اس نے غلط کیا وہ اسے درست نہیں

Www.IslamicBooks.Website

کرسکتا تھا۔جیسا کہ ابن عباسؓ وغیرہ کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

اور یہ تقدیر جو کہ اللہ تعالیٰ کے قدیم علم کے تابع ہے کبھی بالجملہ ہوتی ہے جیسا کہ لوح محفوظ میں ہے کیونکہ اس میں ہر شئ کی تقدیر نوشتہ ہے،اور بہت سی جگہوں میں بالتفصیل جو ہر فرد کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے، مثلاً ان چاروں کلمات میں جسے فرشتہ جن میں روح پھونکنے کے وقت لکھنے کی غرض سے آتا ہے اوراس بچے کے رزق، دنیا میں رہنے کی اس کی معینہ مدت، اس کے عمل اوراس کی خوش بختی وبدبختی کے تعلق سے لکھ دیتا ہے، یہ خاص تقدیر ہے،............ اشیاء کے وجود سے پہلے لکھی جانے والی اس تقدیر کا "قدریہ" سے تعلق رکھنے والے غلو پسند حضرات پہلے ہی انکار کر چکے تھے،اوراس کے منکرین اول کی فہرست میں معبد الجہنی اور غیلان الدمشقی کا نام سرفہرست ہے۔یہ لوگ کہا کرتے تھے: "امر کا وجود کسی پیشگی تقدیر کے پہلے پہل ہو رہا ہے"......اور تقدیر کے اس درجے کا انکار کرنے والا کافر ہے کیونکہ اس نے جان بوجھ کر ایسی واجبی شئ کا انکار کیا ہے جو کہ کتاب سنت اور اجماع سے ثابت ہے۔

رہا تقدیر کا دوسرا درجہ تو یہ بھی دو چیزوں پر مشتمل ہے:

پہلی چیز ہے اللہ تعالیٰ کی عام مشیئت پر ایمان، یعنی وہی کچھ ہوتا ہے جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور جو اس نے نہیں چاہا وہ نہیں ہوتا۔اس کے ملک میں اس شئ کا وجود ہی ممکن نہیں جسے وہ نہ چاہتا ہو، بندوں کے افعال، خواہ ان کا تعلق طاعات سے ہو یا معاصی سے وہ اس کی اسی مشیئت عامہ کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتے ہیں۔اور کوئی بھی شئ اس کی اس مشیئت سے باہر نہیں۔خواہ ان کا تعلق ان امور سے ہو جسے اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جس سے راضی وخوش ہوتا ہے یا ان امور سے نہ ہو۔

دوسری چیز یہ کہ اس بات پر ایمان رکھا جائے کہ تمام اشیاء اللہ کی قدرت کے نتیجے میں ہی وجود پذیر ہوتی ہیں ہر شئ اس کی مخلوق ہے اس کے علاوہ کوئی دوسرا ان اشیاء کی تخلیق کرنے والا ہے ہی نہیں۔خواہ وہ بندوں کے افعال ہوں یا کوئی اور شئ ان کے مابین کوئی تفریق نہیں۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ واللہ خلقکم وماتعملون ﴾

Www.IslamicBooks.Website

''تمہیں اور جو کچھ تم کرتے ہو انہیں اللہ نے پیدا کیا ہے''۔ (الصافات :۹۶)

امر شرعی پر بھی یہ ایمان رکھنا واجب ہے اور اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مکلّف بنایا ہے چنانچہ اس نے انہیں اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کرنے کا حکم دے رکھا ہے اور نافرمانی کرنے سے روک رکھا ہے۔ تمام اشیاء کے لئے اس کی عام مشیئت سے جو احکام ثابت ہیں ان کے اور مشیئت ہی کی بنا پر اس کے اوامر ونواہی کے ذریعے بندوں کو مکلّف بنانے کے مابین کسی قسم کا تصادم وتضاد نہیں ہے کیونکہ اس کی مشیئت بندے کی آزادی اور اقدام فعل کے سلسلے میں ان کے اختیار وقدرت کے منافی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے مشیئت کی ان دونوں قسموں کو اس آیت میں ایک ساتھ جمع کر کے ذکر کیا ہے:

﴿لـمن شاء منكم أن يستقيم وما تشاؤن الا أن يشاء الله رب العالمين﴾ ''تم میں سے ان لوگوں کے لئے (قرآن ایک نصیحت ہے) جو راہ راست پر چلنا چاہیں، اور تم کچھ چاہ نہیں سکتے جب تک کہ اللہ نہ چاہے، جو رب العالمین ہے۔'' (التکویر:۲۸،۲۹)

اسی طرح اس کی اس مشیئت اور اس کی رضا وپسند سے تعلق رکھنے والے امور شرعیہ کے مابین کسی قسم کا تلازم نہیں۔ کبھی ایسا بھی ممکن ہے کہ اس کی مشیئت اس چیز سے متعلق ہو جسے وہ پسند نہیں کرتا اور ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی شئ کو پسند کرتا ہو لیکن اس کے ہونے میں اس کی مشیئت شامل نہ ہو۔ پہلے کی مثال: ابلیس اور اس کی ذریت کے وجود میں اللہ کی مشیئت کا وجود۔ دوسرے کی مثال: اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہے کہ کافر مومن ہو جائے۔ فاجر مطیع وفرماں بردار ہو جائے۔ ظالم عدل وانصاف کرنے لگیں، فاسق توبہ کرلیں۔ اگر اس کی مشیئت ہوتی تو یہ ساری باتیں وقوع پذیر ہو جاتیں اس لئے کہ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔

اسی طرح اللہ کے تمام اشیاء کا خالق ہونے اور بندے کا اپنے فعل کے انجام دینے کے مابین کسی قسم کا تصادم نہیں ہے کیونکہ بندہ اپنے فعل کے سبب ہی مومن کافر یا نیک وبد بنتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کا اور اس کے فعل کا بھی خالق ہے کیونکہ وہی ہے

Www.IslamicBooks.Website

جس نے اس کے اندر ''قدرت اور ارادہ'' جیسی دو چیزیں پیدا کی ہیں جن کے ذریعے وہ اپنے فعل کو انجام دیتا ہے۔

علامہ شیخ عبدالرحمٰن بن ناصر آل سعدیؒ فرماتے ہیں:

''بندہ جب نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے یا کوئی بھی اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو وہی اس اچھے یا برے کام کا کرنے والا ہوتا ہے اور اس کا یہ تمام فعل بغیر کسی شک وشبہ کے اسی کے اختیار سے انجام پذیر ہوتا ہے اور اسے اس بات کا احساس بھی ہوتا ہے کہ وہ اس کے کرنے یا چھوڑنے پر مجبور نہیں ہے۔ اگر وہ چاہتا تو کرتا ہی نہیں، اور حقیقت بھی یہی ہے۔ جس کی وضاحت کتاب وسنت میں بھی موجود ہے۔ نیک یا برے اعمال کو بندے کی طرف ہی منسوب کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ بندے ہی اسے انجام دینے والے ہیں۔ اور کتاب وسنت میں اس بات کی بھی خبر دی گئی ہے کہ عمل کی بنیاد پر ہی بندے کی ستائش کی جاتی ہے اگر اس کا عمل نیک ہے تو اس پر ثواب بھی مرتب ہوتا ہے۔ اور اسی عمل کی بنیاد پر ہی لوگ قابل مذمت بھی بنتے ہیں اگر عمل برا ہو، اور اس برے عمل کے سبب ان کا مواخذہ اور ان کی گرفت بھی ہوتی ہے۔

بات بالکل اچھی طرح واضح ہو چکی ہے کہ بندوں کے اعمال کا صدور انہی کے اختیارات سے ہوتا ہے جب چاہیں کسی فعل کو انجام دیں اور جب چاہیں چھوڑ دیں۔ یہ چیز عقلی وحسی طور پر بھی ثابت شدہ ہے اور شرعی ومشاہداتی طور پر بھی۔

اس کے باوجود بھی اگر آپ یہ جاننا چاہیں کہ تمام افعال واعمال جو اگرچہ کہ بندوں کی جانب سے واقع ہوتے ہیں اس میں تقدیر کا دخل کس طرح ہے؟ اور یہ تمام افعال واعمال کس طرح مشیت الٰہی کے تابع وماتحت ہیں؟ تو سوال یہ ہے کہ کس چیز کے ذریعے بندوں سے اچھے یا برے اعمال صادر ہوتے ہیں؟ تو اس کا یہی جواب ہوگا کہ بندوں کی اپنی قدرت اور ان کے اپنے ارادے سے! اس کا اعتراف ہر شخص کرتا ہے۔ تو پھر سوال یہ ہے کہ ان کی قدرت اور ان کے ارادے ومشیت کا خالق کون ہے؟ تو اس کا جواب یہی ہے جس کا اعتراف ہر شخص کرے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کی قدرت اور ان کے

Www.IslamicBooks.Website

ارادے کا خالق ہے۔ اور وہی ہے جس نے ان کے افعال کے وجود میں آنے کے ذرائع کو پیدا کیا ہے تو گویا وہی ان کے افعال کا بھی خالق ہوا۔ یہی وہ جواب ہے جس سے تمام پیچیدگیاں حل ہو جاتی ہیں اور ایک بندہ قضا و قدر اور اختیار کے اجتماع کو دل سے تسلیم کرنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مختلف اسباب والطاف اور مختلف اعانتوں سے بھی نوازتا ہے اور ان کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کو بھی دور کرتا ہے۔ جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جو شخص نیک بختوں میں سے ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اہل سعادت کے عمل کی راہ آسان کر دیتا ہے۔''

اور اسی طرح فاسقوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کر انہیں انہیں کے حوالے کر دیتا ہے یعنی انہیں اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے کیونکہ یہ لوگ نہ تو اس پر ایمان لائے اور نہ ہی اس پر توکل و بھروسہ کیا چنانچہ انہیں مشکلات میں مزید الجھا دیا جن میں وہ پہلے ہی سے پھنسے ہوئے تھے۔

تقدیر اور افعال عباد کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے مذہب کا خلاصہ جس پر کتاب وسنت کے نصوص دلالت کرتے ہیں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام اشیاء مثلاً اعیان، اوصاف اور افعال وغیرہ کا خالق ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ کی مشیئت بالکل عام ہے جو تمام کائنات کو شامل ہے کائنات میں کوئی بھی تصرف اس کی مشیئت کے سبب ہی ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی مشیئت کے نتیجے میں اشیاء کی تخلیق کا عمل ان اشیاء کے سلسلے میں اس کے علم قدیم اور لوح محفوظ میں اس کے نوشتۂ تقدیر کے مطابق ہی ہوتا ہے۔

بندوں کو ایک قسم کی قدرت بھی حاصل ہے اور ارادہ بھی جن کے ذریعے ان کے افعال وجود میں آتے ہیں اور یہی بندے اپنے اختیار کے مطابق اپنے افعال کو انجام دیتے ہیں، اور اپنے انہیں افعال کی بنیاد پر یہ لوگ جزا کے بھی مستحق ہوتے ہیں خواہ تعریف اور ثواب کی صورت میں یا مذمت وسزا کی شکل میں۔ اور فعلی طور پر ان افعال کی بندوں کی طرف نسبت، ایجادی اور خلقی طور پر اللہ کی طرف ان کی نسبت کے منافی نہیں ہے کیونکہ وہی ان تمام اسباب کا خالق ہے جن کے ذریعے بندوں سے ان کے افعال وجود پذیر ہوئے۔

Www.IslamicBooks.Website

تقدیر کے منکرین

اسی تقدیر کے مسئلے میں دو فریق گمراہ ہوئے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔ پہلا فریق قدریہ یعنی منکرین تقدیر کا ہے، یہی لوگ اس امت کے مجوس کہلاتے ہیں جیسا کہ اس کا ذکر بعض مرفوع اور موقوف احادیث میں موجود ہے۔ یہ لوگ تفریط اور انکار تقدیر کے سبب گمراہ ہوئے۔ یہ لوگ یہ سمجھ بیٹھے کہ بندوں کے اپنے افعال کو انجام دینے کے اختیارات اور ان امور کے تعلق سے ان کی مسئولیت جو قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عام تخلیق و مشیئت جس پر نصوص دال ہیں مابین جمع و تطبیق ممکن نہیں کیونکہ ان کے خیال کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تخلیق و مشیئت اپنے فعل کے سلسلے میں بندوں کی مسئولیت کو باطل اور پابندی و ذمہ داری کو ساقط کر رہی ہے۔ چنانچہ انہوں نے امر و نہی کے پہلو کو فوقیت دیتے ہوئے خلق و مشیت کے عموم پر دلالت کرنے والے نصوص کو افعال عباد سے الگ کر کے یہ ثابت کر دیا کہ بندہ اپنی قدرت اور اپنے ارادے کے سبب اپنے افعال کا خود خالق ہے۔ گویا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ایک اور خالق تسلیم کر لیا، جس کے سبب یہ لوگ اس امت کے مجوس کہلائے کیونکہ مجوس بھی یہ گمان کرتے ہیں کہ شر اور تکلیف دہ اشیاء کا خالق شیطان ہے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ کے ساتھ شیطان کو بھی خالق مان لیا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی اللہ کے ساتھ اس کے بندوں کو بھی خالق تسلیم کرتے ہیں۔

دوسرا گمراہ گروہ وہ ہے جسے "جبریہ" کہا جاتا ہے۔ انہوں نے تقدیر کے اثبات میں اس قدر غلو پسندی سے کام لیا کہ اس بات کے منکر ہو گئے کہ بندے کے لئے بھی کوئی حقیقی فعل ثابت ہے۔ بلکہ ان کے خیال کے مطابق بندے کو نہ تو کسی قسم کی آزادی حاصل ہے اور نہ ہی کسی قسم کا اختیار و فعل، ان کے نزدیک انسان کی حیثیت بالکل پرندے کے

Www.IslamicBooks.Website

اس پر کی سی ہے جو تند و تیز ہوا کے جھونکوں میں پھنسی ہوئی ہو، ان کے خیال کے مطابق بندوں کی طرف افعال کی نسبت مجازی ہے یعنی ایک بندے کی طرف نماز، روزہ، قتل اور چوری وغیرہ کی نسبت وہی ہے جیسی سورج کی طرف اس کے طلوع ہونے، ہوا کی طرف اس کے چلنے اور بارش کی طرف اس کے نازل ہونے کی نسبت کی جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس نقطۂ نظر کے سبب اللہ تعالیٰ پر ظلم، تکلیف مالا یطاق اور نا کردہ گناہ کی سزا دینے کا الزام لگاتے ہیں۔ نیز ان حضرات نے بندوں کے مکلّف کئے جانے کے سلسلے میں ان کے ساتھ مذاق ولغو کرنے کا الزام عائد کیا ہے۔ اور ساتھ ہی امر و نہی کی حکمتوں کا بھی انکار کر دیا ہے۔ کیا ہی برا ہے ان کا فیصلہ!

Www.IslamicBooks.Website

ایمان کے باب میں اہل سنت کا موقف

مسئلہ اسماء واحکام کی بحث میں ہم نے اس کا تذکرہ کیا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ایمان زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد اور دین کے جملہ ارکان پر عمل کرنے کا نام ہے اور یہ تینوں امور ایمان میں داخل ہیں گویا مکمل دین ہی ایمان ہے، خواہ ظاہری ہوں یا باطنی، اس کے اصول ہوں یا فروع، ایمان کے لفظ کا اطلاق اسی وقت ممکن ہے جب اس میں یہ تمام امور جمع ہو جائیں ان میں سے کوئی بھی شئ مفقود نہ ہو، چونکہ اعمال واقوال دونوں ہی ایمان میں داخل ہیں اس لئے اس میں نقص واضافہ ہوسکتا ہے۔ اطاعت وفرماں برداری کے کاموں سے ایمان میں اضافہ اور ارتکاب معاصی سے اس میں نقص واقع ہوتا ہے جیسا کہ کتاب سنت کے صریح دلائل سے ثابت ہے نیز مشاہدہ بھی یہی بتلاتا ہے کہ مومنین کے عقائد اور ان کے ظاہری وباطنی اعمال میں تفاوت ہے۔

ایمان میں نقص واضافہ ہونے کے سلسلے میں بہت سے دلائل ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں: اللہ تعالیٰ نے مومنین کو تین طبقات میں منقسم کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ثم اورثنا الکتاب الذین اصطفینا من عبادنا فمنھم ظالم لنفسہ ومنھم مقتصد ومنھم سابق بالخیرات باذن اللہ﴾ ''پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے برگزیدہ بندوں کو بنایا تو ان میں سے بعض نے اپنے اوپر ظلم کیا اور بعض نے اعتدال کی راہ اختیار کی، اور بعض نے اللہ کی توفیق سے نیکیوں اور بھلائیوں کی طرف سبقت کی۔'' (فاطر:۳۲)

خیر کے کاموں میں پہل کرنے والے وہ لوگ ہیں جو واجبات اور مستحبات دونوں کو ادا کرتے ہوئے محرمات اور مکروہ کاموں سے بھی اجتناب کرتے رہے اور انہی لوگوں کا شمار مقربین میں ہوتا ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

''مقتصد'' وہ لوگ ہیں جو صرف واجبات کی ادائیگی اور محرمات سے اجتناب کرتے رہے۔ اور اپنے اوپر ظلم کرنے والے وہ لوگ ہیں جنہوں نے بعض محرمات کا ارتکاب کرلیا اور اپنے اصل ایمان کو باقی رکھتے ہوئے صرف واجبات کی ادائیگی کردی۔

ایمان میں نقص واضافے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ایمان کے علوم کے سلسلے میں بھی مومنین کے درجات متفاوت ہیں۔ ان میں کچھ لوگ تو ایسے ہیں جن کے پاس ایمان کی مکمل تفاصیل اور عقائد کا ایک کثیر حصہ پہونچا جن کے ذریعے ان کے ایمان میں اضافہ ہوا اور ان کا یقین بھی پختہ ہوا، اور انہیں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو ان سے کم تر ہیں یہاں تک کہ ان کے بعض حضرات کی حالت یہاں تک پہونچ گئی کہ ان کے پاس صرف اجمالی ایمان ہی رہ گیا اس کی تفصیل کی توفیق نہ ہوسکی مگر اس کے باوجود بھی وہ مومن ہی رہے۔ اسی طرح یہ لوگ بہت سی چیزوں مثلاً ظاہری وباطنی اعمال اور طاعات کی کثرت وقلت میں بھی متفاوت ہیں۔

رہے وہ لوگ جن کا مذہب یہ ہے کہ مجرد تصدیق بالقلب کا نام ایمان ہے اس کے اندر نقص واضافہ کے قبول کرنے کی صلاحیت نہیں ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا خیال ہے، ان کی دلیل وہی نصوص ہیں جن کا ہم نے تذکرہ کیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اس کا سب سے بڑا شعبہ ہے لاالٰــہ الااللہ کا اقرار، اور سب سے ادنیٰ شعبہ ہے مضر اشیاء کو راستے سے دور کرنا۔''

باوجودیکہ ایمان قول وعمل اور اعتقاد کا مجموعہ ہے ان تمام کا درجہ ایک نہیں ہے بلکہ ایمان میں اصل حیثیت عقائد کی ہے۔ چنانچہ جو شخص ان میں سے کسی ایک کا انکار کردے جن پر ایمان رکھنا واجب ہے مثلاً اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں یا آخرت کے دن یا ان چیزوں میں سے کسی ایک کا انکار کردے جنہیں انجام دینا یا جن سے بچنا ضروری ہے مثلاً وجوب صلاۃ، وجوب زکاۃ، حرمت زنا اور حرمت قتل

Www.IslamicBooks.Website

وغیرہ میں سے کسی کا انکار کردے تو وہ کافر ہے، انکار کرنے والا اس انکار کی وجہ سے ایمان سے خارج ہو جاتا ہے۔

رہا ملت اسلام پر باقی رہنے والا فاسق جو کہ بعض کبائر کا ان کی حرمت کے اعتقاد کے باجود ارتکاب کرتا ہے تو اہل سنت والجماعت اس سے کلی طور پر ایمان کی نفی نہیں کرتے اور نہ معتزلہ وخوارج کی طرح اسے ہمیشہ ہمیش کے لئے جہنم میں دخول کا مستحق قرار دیتے ہیں بلکہ یہ ان کے نزدیک ناقص الایمان مومن ہے جس کے ایمان میں اس کی معصیت کے بقدر نقص واقع ہو چکا ہے یا وہ مومن فاسق ہے اس کو یہ لوگ نہ تو مومن کامل سمجھتے ہیں اور نہ ہی اس کے ایمان کی مطلقاً نفی کرتے ہیں۔

معصیت کے باوجود ایمان کے ثبوت کے سلسلے میں مؤلفؒ نے جو کچھ بیان کیا ہے کتاب وسنت کے دلائل اس کی وضاحت کررہے ہیں۔ قرآن میں ہے: ﴿یا أیھا الذین آمنوا لاتتخذوا عدوی وعدوکم أولیاء﴾ ”اے ایمان والو! تم لوگ میرے دشمن اور اپنے دشمن کو دوست نہ بناؤ۔“ (الممتحنۃ:1)

اللہ نے معصیت (کافروں سے دوستی کرنا) کے باوجود ایمان کے ساتھ پکارا۔

﴿فائدہ﴾

ایمان اور اسلام دونوں شرعی اصطلاح میں وجود کے اعتبار سے متلازم ہیں ان میں سے کسی ایک کا وجود دوسرے کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جب بھی صحیح اور کامل ایمان کا وجود ہوگا تو اس کے ساتھ ہی اسلام بھی ہوگا اسی طرح اس کے برعکس بھی۔ اسی لئے کبھی کبھی ان میں سے صرف ایک کا ذکر کردیا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے کسی ایک کا ذکر کردیا جائے تو اس میں دوسرا بھی داخل ہوتا ہے۔ البتہ جب یہ دونوں لفظ معاً ذکر کئے جاتے ہیں تو اس وقت ایمان سے مراد تصدیق اور اعتقاد، اور اسلام سے مراد انقیاد ظاہری ہوگا۔ مثلاً ”اقرار باللسان اور عمل بالارکان“ ......لیکن یہ ایمان کے عمومی مفہوم

Www.IslamicBooks.Website

کے اعتبار سے ہے رہا کامل ایمان تو یہ اسلام کے مقابلے میں خاص ہے۔ اور کبھی ایمان کے بغیر صرف اسلام کا وجود بھی ممکن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں ہے:
﴿قالت الأعراب آمنا قل لم تومنوا ولكن قولوا أسلمنا﴾ ''دیہاتیوں نے کہا کہ ہم ایمان لے آئے (اے نبی) کہدو کہ ابھی تم ایمان نہیں لائے، لیکن کہو کہ ہم نے اسلام قبول کرلیا۔'' (الحجرات:۱۴)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین سے ایمان کی نفی کرتے ہوئے ان کے اسلام کی خبر دی ہے۔ اور حدیث جبرئیلؑ میں تو تین مراتب کا ذکر ہے یعنی اسلام، ایمان اور احسان۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے ماقبل کے مقابلے میں خاص ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

فضائل صحابہ اوران کے مراتب

اس فصل میں مؤلفؒ فرماتے ہیں کہ اہل سنت والجماعت کے عقیدے کا ایک اصول جس کے ذریعہ وہ منحرف اور گمراہ لوگوں سے ممتاز اور جدا ہوتے ہیں، یہ بھی ہے کہ یہ لوگ صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے کسی ایک صحابی کو بھی گناہ کی طرف منسوب نہیں کرتے نہ ان کے سلسلے میں طعن وتشنیع کرتے ہیں نہ ہی ان کے لئے بغض وحسد رکھتے ہیں اور نہ ہی انہیں ذلیل وحقیر سمجھتے ہیں، چنانچہ ان کے دل اوران کی زبانیں ایسی تمام چیزوں سے محفوظ ہیں۔ یہ لوگ ان کے سلسلے میں وہی کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی نسبت بیان کیا ہے:﴿ ربنا اغفر لنا و لاخو اننا الذین سبقونا بالایمان﴾ ''اے ہمارے رب! ہمیں معاف کردے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لاچکے''۔ (الحشر:۱۰)

یہ دعا ان لوگوں کی جانب سے ہے جو صحابۂ کرام کے بعد اس دنیا میں تشریف لائے اوراحسان کے ساتھ ان کی اتباع وپیروی کی صحابہ کے حق میں ان کی یہ دعا ان کی جانب سے ان کی کامل محبت اوران کی جانب سے ان کی ثنا وتحسین پر دال ہے۔ صحابۂ کرام اپنی فضیلت وسبقت اوراپنی عظیم اولیت اوررسول کے ساتھ ان کی خصوصی وابستگی اورامت کے تمام افراد پر اپنے احسانات کے سبب اس محبت وتکریم کے مستحق ہیں، اس لئے کہ انہوں نے ہی ان تمام امور کو لوگوں تک پہونچایا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس لیکر آئے، امت کے تمام افراد کے پاس جو بھی علم اور خبر ہے وہ سب انہی کے واسطے سے ان تک پہونچی ہے۔

اہل سنت والجماعت صحابۂ کرام کی توقیر اوران کا احترام اپنے نبی کی فرماں برداری کی غرض سے بھی کرتے ہیں کیونکہ آپ نے انہیں برابھلا کہنے اوران کی توہین کرنے سے منع کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے تعلق سے اس بات کی بھی

Www.IslamicBooks.Website

وضاحت کردی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی ایک صحابی کا عمل قلیل کسی دوسرے شخص کے عمل کثیر کے مقابلے میں بھی افضل ہے، یہ ان کے کامل اخلاص اور صدق ایمان کی علامت ودلیل ہے۔

پھر مؤلفؒ نے صحابۂ کرام کے آپسی مراتب بیان کرتے ہوئے فرمایا: اہل سنت والجماعت صلح حدیبیہ سے قبل انفاق فی سبیل اللہ اور جہاد کرنے والے صحابہ کرام کو ان صحابہؓ سے افضل قرار دیتے ہیں جنہوں نے اس کے بعد انفاق وجہاد کیا۔ اس سلسلے میں نص قرآنی کے موجود ہونے کی وجہ سے...... اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے: ﴿لا یستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئک اعظم درجة من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا و کلا وعد الله الحسنیٰ﴾ ''تم میں سے کوئی اس کے برابر نہیں ہوسکتا جس نے صلح حدیبیہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا وہ لوگ درجہ میں ان سے زیادہ اونچے ہیں جنہوں نے صلح حدیبیہ کے بعد خرچ کیا جہاد کیا۔ اللہ نے ہر ایک سے جنت کا وعدہ کیا ہے۔'' (الحدید:۱۰)

مؤلفؒ نے ''فتح'' کی تفسیر صلح حدیبیہ سے کی ہے اور یہی مشہور ہے، اور یہی بات صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے کہ ''سورۃ الفتح'' صلح حدیبیہ کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ اس صلح کو فتح کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں اسلام کے غلبے اس کی قوت وشوکت اور اس کے پھیلاؤ کے سلسلے میں بڑے ہی دوررس نتائج سامنے آئے۔

پھر انصار ومہاجرین کے سلسلے میں اہل سنت کے موقف کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ''اور اسی طرح یہ لوگ مہاجرین کو انصار پر فضیلت دیتے ہیں'' ...... اس کی وجہ یہ ہے کہ مہاجرین میں معاً دو وصف جمع ہوگئے تھے۔ نصرت اور ہجرت۔ اسی لئے تمام خلفاء راشدین اور بقیہ دس صحابۂ کرام بھی مہاجرین میں سے تھے۔ قرآن کی سورۂ توبہ اور سورۂ حشر میں مہاجرین کی انصار پر فوقیت کا ذکر ہے۔ یہ فضیلت اور برتری ایک مکمل جماعت کی دوسری مکمل جماعت پر ہے۔ یہ حقیقت اس کے منافی نہیں کہ انصار میں بھی ایسے افراد ہیں جو بعض مہاجرین سے افضل ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

ابوبکر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے سقیفہ کے دن اپنے خطبے میں کہا تھا: ''ہم مہاجرین اسلام قبول کرنے کے اعتبار سے بھی فوقیت رکھتے ہیں، ہم تم سے پہلے مسلمان ہوئے اور تم پر قرآن کو ہم نے پیش کیا، اس لئے امیر ہم ہیں اور وزیر تم میں سے ہوں گے......''

مؤلف آگے فرماتے ہیں: ''اہل سنت والجماعت اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ نے اہل بدر کے تعلق سے جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی یہ فرمایا: ﴿اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم﴾ ''تم لوگ جو جی چاہے کرو کیونکہ میں نے تمہاری مغفرت فرمادی ہے''۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جب حاطب بن ابی بلتعہ (جو بدر میں شریک ہو چکے تھے) کے قتل کا ارادہ کیا ان کے بذریعہ مکتوب قریش کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی اطلاع دینے کی وجہ سے، تو اس وقت آپ نے فرمایا اے عمر! تم نہیں جانتے شاید اللہ تعالیٰ اہل بدر سے خوب واقف ہے اسی لئے فرمایا ﴿اعملوا ماشئتم فقد غفرت لکم﴾ ''تم جو چاہو عمل کرو میں نے بخش دیا''

مؤلف اہل سنت کے عقیدے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں: ''اہل سنت کا یہ عقیدہ ہے کہ جہنم میں ہر وہ شخص داخل نہ ہوگا جس نے درخت کے نیچے بیعت رضوان میں شرکت کی تھی'' ...... کیونکہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جنت کی بشارت دی ہے اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے تعلق سے قرآن میں فرمایا: ﴿لقد رضی اللہ عن المومنین اذ یبایعونک تحت الشجرۃ﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ مومنین سے راضی ہوگیا جب وہ (اے نبی) تم سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے'' (الفتح:۱۸)

یہ رضامندی ان کی تعذیب سے مانع ہے اور ان کے لئے عزت واکرام اور جزائے خیر کو لازم کرنے والی ہے۔

آگے فرماتے ہیں ''اور اہل سنت ہر اس شخص کے لئے جنت کی شہادت دیتے ہیں جن کے لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شہادت دی ہے عشرۂ مبشرہ اور ثابت بن

Www.IslamicBooks.Website

سماش وغیرہ“..........

عشرۂ مبشرین یہ ہیں: ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، طلحہ رضی اللہ عنہ، زبیر رضی اللہ عنہ، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ، سعید بن زید رضی اللہ عنہ، عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ، ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ، اوران کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام جنہیں آپ نے جنت کی بشارت دی ہے وہ ثابت بن قیس، عکاشہ بن محصن اور عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں، اور ہر وہ صحابی جن کے جنتی ہونے کے سلسلے میں حدیث صحیح وارد ہے۔

خلفائے راشدین کے متعلق مؤلفؒ فرماتے ہیں ”اہل سنت اس بات کا بھی اقرار واعتراف کرتے ہیں کہ جو امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابۂ کرام سے تواتر کے ساتھ منقول ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں افضل شخص ابوبکر پھر عمر رضی اللہ عنہما ہیں“ ......مروی ہے کہ علیؓ نے یہ بات کوفہ کے منبر سے فرمائی تھی اوران سے ایک بڑی جماعت نے سنا وہ کہہ رہے تھے: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے ساتھ ہی ہمیں معلوم ہوگیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہم میں سب سے افضل ابوبکرؓ ہیں، اور ابوبکرؓ کی وفات کے ساتھ ہی ہمیں یہ معلوم ہوگیا کہ ان کے بعد ہم میں سے سب سے افضل عمرؓ ہیں۔“

صاحب کتابؒ آگے فرماتے ہیں ”اہل سنت عثمانؓ کو تیسرے اور علیؓ کو چوتھے نمبر پر تسلیم کرتے ہیں“ ......جمہور اہل سنت کا مسلک یہی ہے خلفائے راشدین کی ایک دوسرے پر فضیلت خلافت میں ان کی ترتیب کی بنیاد پر ہے چونکہ صحابہؓ نے بیعت خلافت میں عثمانؓ کو علیؓ پر ترجیح دی اس لئے یہ لوگ عثمانؓ کو علیؓ سے افضل تسلیم کرتے ہیں۔

بعض اہل سنت علیؓ کو افضل قرار دیتے ہیں کیونکہ ان کی خصوصیت ومنقبت میں وارد آثار کی تعداد زیادہ ہے جب کہ بعض لوگ اس سلسلے میں توقف اور سکوت کا دامن تھامے ہوئے ہیں۔ بہر حال یہ تقابلی وتفضیلی معاملہ جیسا کہ مؤلفؒ نے ذکر کیا ہے کچھ

Www.IslamicBooks.Website

ایسا بنیادی مسئلہ نہیں ہے جس میں کوئی قدرے اختلاف رائے سے گمراہ قرار دیا جائے بلکہ یہ ایک فرعی مسئلہ ہے جس میں اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ رہا خلافت کا مسئلہ تو اس سلسلے میں یہ اعتقاد رکھنا واجب ہے کہ عثمانؓ کی خلافت صحیح اور برحق تھی کیونکہ یہ ان چھ افراد کے مشورے سے عمل میں آئی تھی جسے عمرؓ نے اپنے بعد خلیفہ منتخب کرنے کے لئے متعین کیا تھا.......... جو یہ خیال رکھے کہ عثمانؓ کی خلافت باطل تھی علیؓ ان سے زیادہ خلافت کے حقدار تھے تو وہ بدعتی اور بھٹکا ہوا انسان ہے اور اس پر تشیع کی چھاپ ہے اور ساتھ ہی اس کا یہ قول مہاجرین وانصار پر عیب لگانے کے مترادف ہے۔

...... اھل بیت ......

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت وہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور وہ ہیں آل علیؓ، آل جعفر، آل عقیل، آل عباس، ان سب کا تعلق بنی ہاشم سے ہے، اور بنو المطلب بھی انہیں میں سے ہیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے ''وہ لوگ ہم سے کبھی الگ نہیں ہوئے نہ تو عہد جاہلیت میں اور نہ ہی عہد اسلام میں۔''

چنانچہ اہل سنت والجماعت ان کے مقام اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی قرابت کی رعایت کرتے ہیں نیز ان کے اسلام میں پہل کرنے اور اللہ کے دین کی نصرت وتائید میں بہتر کارکردگی کے سبب وہ ان سے محبت رکھتے ہیں۔

''غدیر خُم'' (جہاں آپؐ نے اہل بیت کے تعلق سے صحابۂ کرام کو وصیت فرمائی تھی) اس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ ایک رنگ ساز کا نام ہے اس نام کی طرف ''غدیر'' کی اضافت کردی گئی ہے، یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان مقام ''جحفہ'' میں واقع ہے، ایک خیال یہ بھی ہے کہ خم وہاں کسی جھاڑی کا نام تھا اس کی جانب ''غدیر'' کو منسوب کردیا گیا۔

آپؐ نے اپنے چچا سے فرمایا ''قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان

Www.IslamicBooks.Website

ہے لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ تم لوگوں سے اللہ اور میری قرابت کی وجہ سے محبت نہیں کریں گے۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اللہ کے لئے آپؐ کے اہل بیت سے محبت نہ کرنے لگے۔

۱...... کیونکہ ان کا شمار اس کے ان اولیاء اور فرماں برداروں میں ہوتا ہے جن سے محبت وموالات رکھنا واجب ہے۔

۲...... کیونکہ رسول اللہ کی جانب سے ان کا مرتبہ اور درجہ بہت ہی بلند ہے اور ان کا نسب نامہ بھی آپ سے متصل ہے۔

ازواج مطہرات

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات وہ ہیں جن سے آپؐ نے عقد کیا تھا۔ ان میں سب سے پہلی خدیجہ بنت خویلہ ہیں۔ آپؐ نے بعثت سے قبل مکہ کے اندر ان سے عقد کیا تھا جب کہ آپؐ کی عمر پچیس سال تھی۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا عمر میں آپ سے پندرہ سال بڑی تھیں۔ ان کے انتقال تک آپؐ نے کسی دوسری عورت سے عقد نہیں کیا، ابراہیم کے سوا آپ کی تمام اولاد انہیں کے بطن سے ہوئیں۔ یہ وہ خاتون ہیں جو آپ پر سب سے پہلے ایمان لائیں اور رسالت کی ذمہ داریوں کو اٹھانے اور سنبھالنے کے سلسلے میں آپؐ کی حوصلہ افزائی کی، ہجرت سے تین سال قبل پینسٹھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

ان کے بعد آپ نے سودہؓ بنت زمعہ سے عقد فرمایا اور پھر عائشہؓ سے جب کہ ان کی عمر چھ سال کی تھی عقد فرمایا اور جب آپ مدینہ ہجرت کر گئے تو عائشہؓ کی رخصتی ہوئی اس وقت ان کی عمر نو سال تھی۔

آپ کی ازواج مطہرات میں ام سلمہؓ بھی ہیں ان سے آپ نے ان کے شوہر ابو سلمہ کے انتقال کے بعد نکاح کیا۔ اور زینبؓ بنت جحش سے آپ نے اس وقت عقد فرمایا

Www.IslamicBooks.Website

جب ان کے شوہر زید بن حارثہ نے انہیں طلاق دے دی، ان کی خصوصیت یہ ہے کہ آپؐ کا ان سے عقد خود اللہ تعالیٰ نے کیا تھا۔

ان کے علاوہ جویریہ بنت حارث، صفیہ بنت حی، حفصہ بنت عمر اور زینب بنت خزیمہ یہ سب امہات المومنین ہیں اور یہی آخرت میں بھی آپؐ کی بیویاں ہوں گی، ان میں سب سے افضل خدیجہ وعائشہ رضی اللہ عنہما ہیں۔

اہل سنت والجماعت کا صحابہ کی شان میں اہل بدعت کے اقوال سے اظہار براءت

مؤلفؒ بعض گمراہ فرقوں کے موقف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اہل سنت والجماعت روافض کے انداز فکر اور طرز عمل سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو صحابۂ کرام سے بغض رکھتے ہیں اور انہیں برا بھلا کہتے ہیں، اسی طرح ان نواصب کے موقف سے بھی براءت ظاہر کرتے ہیں جو اہل بیت کو اپنے قول وفعل سے تکلیف پہونچاتے ہیں۔'' ......

مؤلفؒ کہنا یہ چاہتے ہیں کہ اہل سنت روافض کے اس طرز عمل سے براءت کا اظہار کرتے ہیں جو کہ علیؓ اور اہل بیت کی شان میں غلو اور ان کے علاوہ دوسرے صحابۂ کرام سے بغض وعداوت رکھنے اور انہیں برا بھلا کہنے اور ان کی تکفیر پر مشتمل ہے۔ انہیں روافض کے نام سے موسوم کرنے والے سب سے پہلے شخص **''زید بن علی''** ہیں کیونکہ روافض نے ان سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ شیخین کی امامت سے براءت کا اظہار کریں تاکہ لوگ آپ سے بیعت کرلیں لیکن انہوں نے ان کی بات ماننے سے انکار کردیا نتیجۃً لوگ ان سے الگ ہوگئے۔ زید بن علی نے ان سے کہا: ''رفضتمونی''، تم لوگوں نے مجھے الگ کردیا۔ اسی دن سے ان لوگوں کا نام رافضہ ہوگیا، اور اسی نام سے موسوم ہونے لگے، ان میں بہت سارے فرقے ہیں بعض غلو پسند ہیں تو بعض ان سے کمتر۔

اسی طرح اہل سنت والجماعت ''نواصب'' کے انداز فکر سے بھی اپنی براءت کا اظہار کرتے ہیں جنہوں نے محض سیاسی اسباب ومعاملات کی بنیاد پر آپؐ کے اہل بیت

Www.IslamicBooks.Website

سے عداوت کا اظہار کیا، لیکن یہ فرقہ اس وقت مفقود ہو چکا ہے۔

مشاجرات صحابہ اور اہل سنت والجماعت

اہل سنت والجماعت صحابہ کرام کے مابین پیدا ہونے والے نزاعات اور مشاجرات کے سلسلے میں بحث وگفتگو کرنے سے اعراض کرتے ہیں ، بالخصوص ان مشاجرات کے تعلق سے جو شہادت عثمانؓ کے بعد علی، طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم کے مابین ہوئے اور جو اس کے بعد علی، معاویہ اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم کے مابین ہوئے۔ اہل سنت کی رائے کے مطابق ان حضرات پر طعن وتشنیع پر مشتمل جو روایاتً منقول ہیں وہ یا تو کذب وافتراء کے قبیل سے ہیں یا ان میں تحریف سے کام لیتے ہوئے زیادتی کی آمیزش کی گئی ہے۔ اور اس سلسلے میں جو روایات صحیح وارد ہوئی ہیں ان میں انہیں معذور سمجھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ لوگ مجتہد تھے اس کے ساتھ ساتھ ان کے حق میں کسی چھوٹے یا بڑے گناہ سے براءت کا دعوی نہیں کیا جا سکتا لیکن انہیں ان کی اولیت ان کے فضائل آپ ﷺ کی صحبت اور آپ کے ساتھ ان کے جہاد میں شرکت کے سبب جو خصوصیاتً حاصل ہیں ان کی بنیاد پر ان کی جانب سے ہونے والی لغزشیں یقینی طور پر معاف ہو سکتی ہیں، نیز یہ لوگ آپ کی شہادت وگواہی کے بموجب خیر القرون اور سب سے افضل ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا ایک مد یا نصف مد انفاق بعد میں آنے والوں کے احد کے برابر سونا خیرات کرنے سے بھی افضل اور بہتر ہے۔ ان کی بے شمار نیکیوں کے سبب ان کی خطائیں معاف کردی گئی ہیں۔

یہاں مؤلفؒ کا مقصد صحابہ کرام سے اس بات کی نفی کرنا ہے کہ صحابہ میں کوئی ایسا رہا ہو جو اس قسم کے گناہ پر اصرار کرتے ہوئے اس دنیا سے رخصت ہوا ہو جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہو، بلکہ معاملہ تو یہ ہے کہ اگر فعلاً ان سے کسی خطا کا صدور ہو بھی گیا ہو تو مؤلفؒ کے ذکر کردہ ان امور میں سے کوئی ایک ضرور ہوگا۔

Www.IslamicBooks.Website

۱...... یا تو موت سے قبل ہی اپنے اس گناہ سے توبہ کرلیا ہوگا۔

۲...... یا اعمال حسنہ کے سبب سے ان کے گناہ مٹ گئے ہوں گے۔

۳...... یا بحالت اسلام ان کے سابقہ اعمال حسنہ کے سبب ان کی مغفرت ہوگئی جیسا کہ اصحاب بدر اور بیعت رضوان میں شرکت کرنے والے صحابۂ کرام کی مغفرت ہوگئی۔

۴...... یا آپؐ کی شفاعت کی وجہ سے، صحابۂ کرام آپ کی شفاعت کے سبب سب سے خوش قسمت ہوں گے، نیز یہ لوگ آپؐ کی شفاعت کے سب سے زیادہ حقدار بھی ہیں۔

۵...... یا دنیاوی زندگی میں کسی ایسی آزمائش میں مبتلا کئے گئے جس کے سبب ان کے گناہ مٹ گئے۔

صحابۂ کرام کے تعلق سے اس قسم کا اعتقاد رکھنا جب ان سے سرزد خطاؤں کے سلسلے میں واجب اور ضروری ہے تو ان امور کے سلسلے میں ان کے متعلق کس قسم کا عقیدہ رکھنا ضروری ہوگا جو اجتہادی قسم کے ہیں جن میں خطا معاف ہے۔ پھر اس پر مزید یہ کہ اگر ان امور کا جن میں ان سے خطا سرزد ہوئی ہے ان امور سے موازنہ کیا جائے جو کہ ان کے محاسن اور ان کے فضائل پر مشتمل ہیں تو ان خطاؤں کی حیثیت سمندر میں ایک قطرہ کے برابر بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ جس نے اپنے نبیؐ کو منتخب فرمایا اسی نے ہی اپنے اس نبی کے لئے ان کے اصحاب کو بھی منتخب کیا ہے۔ یہ لوگ انبیاء کے بعد سب سے افضل اور اس امت کے ممتاز اور چنندہ لوگ ہیں جو کہ تمام امتوں میں سب سے افضل امت ہے۔

جو شخص صحابۂ کرام کی شان میں مؤلف کے اختیار کئے ہوئے موقف پر غور کرے گا تو اسے ان جاہل وتعصب پسند حضرات کی جانب سے ان پر لگائے گئے الزامات اور بے بنیاد دعوؤں پر حد درجہ تعجب محسوس ہوگا۔ ان کی طرف سے کی گئی تمام

Www.IslamicBooks.Website

افترا بازیاں اور من گھڑت خیالات کچھ اس نوعیت کے ہیں جو صحابۂ کرام کی حیثیت اور ان کے مرتبے سے متصادم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کی شان و مرتبے کو اصل پوزیشن سے گرانے کے مترادف ہیں نیز ان کے سلسلے میں اہل سنت کے اجماع میں شگاف پیدا کرنے کے بھی مترادف ہیں۔

کرامات اولیاء کے باب میں اہل سنت کا عقیدہ

اللہ رب العزت کی طرف سے اس کے انبیاء کی ہدایات پر عمل کرنے اور ان کی تابعداری کرنے والوں کے حق میں وقوع کرامات کے تعلق سے قرآن وسنت میں تواتر کے ساتھ نصوص وارد ہوئے ہیں۔ نیز قدیم وجدید دور کے بہت سے واقعات بھی ان کی نشاندہی کرتے ہیں۔

کرامت: کسی بھی ایسے خلاف عادت واقعے کو کرامت کہا جاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے کسی ولی کے ہاتھ سے کسی دینی یا دنیوی معاملے میں اس کی اعانت کرتے ہوئے ظاہر کرے۔ معجزہ اور کرامت کے مابین فرق یہ ہے کہ معجزہ دعوۂ رسالت سے متصل ہوتا ہے جب کہ کرامت کا تعلق رسالت کے دعوے سے نہیں۔

کرامات کی مصلحت اور ان کی حکمتیں

۱......کرامت مثل معجزہ کے ہے جو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت اور اس کی مشیت کے نفاذ پر پورے طور پر دلالت کرتی ہے، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ارادوں میں نہایت ہی فعال ہے۔ اور ان ظاہری وطبعی اسباب وضوابط سے ہٹ کر بھی کچھ ایسے اسباب وضوابط ہیں جنہیں صرف وہی انجام دے سکتا ہے، وہاں تک نہ تو کسی انسان کا علم پہونچ سکتا ہے اور نہ ہی اس کا کوئی عمل دخل۔

انہیں کرامات کے سلسلے میں ایک ہے واقعۂ اصحاب کہف اور ان پر واقع ہونے

Www.IslamicBooks.Website

والی وہ نیند اس لمبی مدت میں ڈال دی تھی ساتھ ان کے بدنوں کا تحلیل وفنا ہونے سے محفوظ رکھنا۔ اور انہیں کرامات میں سے ایک ہے مریم علیہا السلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل کرنا انہیں اس وقت روزی پہونچا کر جب کہ وہ محراب کے اندر تھیں حتی کہ زکریا علیہ السلام بھی اس سے تعجب کر بیٹھے اور مریم سے سوال کیا: ''یہ سب تمہارے پاس کہاں سے آیا؟'' اسی طرح ایک بڑی کرامت ہے مریم علیہا السلام کا بلا کسی واسطۂ بشر کے حاملہ ہو جانا اور ان سے عیسیٰ کی ولادت، اور عیسیٰ کا عہد طفولیت ہی میں کلام کرنا۔

۲...... کرامات اولیاء کا وقوع در حقیقت انبیائے کرام کے لئے معجزہ ہے کیونکہ اولیاء کی جانب سے کرامتوں کا صدور ووقوع انبیائے کرام کی متابعت کرنے اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے سبب ہی ہوتا ہے۔

۳...... کرامات اولیاء در حقیقت ان کے لئے خوشخبری وبشارت ہے جسے اللہ نے دنیا ہی میں ظاہر کر دیا۔ بشارت سے مراد ہر وہ امر جو اللہ تعالیٰ سے ان کی قربت اور ان کے بہترین انجام کی ضامن ہے اور کرامات کا تعلق انہیں چیزوں سے ہے۔

اس امت میں برابر کرامات کا وجود رہا ہے اور قیامت تک اس کا سلسلہ منقطع نہ ہوگا، اس کی سب سے بڑی دلیل ہے مشاہدہ!...... فلاسفہ انبیاء کرام کے معجزات کی طرح کرامات کے بھی منکر ہیں۔ کرامات کے منکرین میں معتزلہ اور بعض اشاعرہ بھی ہیں ان کے پاس ان کے انکار کا سب سے بڑا سبب ہے ان کا یہ دعویٰ ہے کہ کرامات کو تسلیم کرنے کی صورت میں معجزات سے التباس لازم آتا ہے جب کہ ان کا یہ دعویٰ بے بنیاد اور باطل ہے کیونکہ جیسا کہ ہم نے کہا کہ کرامت دعویٰ رسالت سے متصل نہیں ہوتی۔

لیکن یہاں ان شیطانی اعمال وشعبدہ بازیوں سے آگاہ ہونا ضروری ہے، جنہیں بدعتی اصحاب طریقت جو خود کو صوفی کا نام دیتے انجام دیتے ہیں، جیسے آگ میں داخل ہو جانا، خود کو ہتھیار سے مارنا، ازدہوں کو پکڑ لینا اور غیب کی خبریں دینا ان باتوں کا کرامات سے کوئی تعلق نہیں، کرامات تو اللہ کے سچے اولیاء کیلئے ہیں، یہ تو شیطان کے اولیاء ہیں۔

Www.IslamicBooks.Website

منہج اہل سنت والجماعت

اس فصل میں اصولی مسائل کی تعیین کے بعد دین کے تمام اصولی وفروعی احکام کے استنباط کے سلسلے میں اہل سنت والجماعت کے منہج کو بیان کیا گیا ہے۔ اوراس سلسلے میں ان کا یہ منہج تین اصولوں پر قائم ہے۔

۱...... اللہ کی کتاب جوکہ سب سے اچھا اور سچا کلام ہے یہ لوگ اللہ کے کلام پر کسی کے بھی کلام کو ترجیح نہیں دیتے۔

۲...... سنت رسول اور آپ کی جانب سے منقولہ جملہ ہدایات اور نظام، اہل سنت والجماعت ان پر کسی دوسرے انسان کے طریقے اور نظام کو فوقیت نہیں دیتے۔

۳...... اجماع، جوکہ بدعت وخرافات اور تفرق وانتشار کے ظہور سے قبل اس امت کے صدر اول میں واقع ہوا تھا۔

صدر اول کے اجماع کے بعد آئے ہوئے لوگوں کے اقوال ومذاہب کو ان تینوں اصول یعنی قرآن وسنت اور اجماع کی کسوٹی پر جانچا اور پرکھا، اگر یہ ان کے موافق ہوئے تو انہیں قبول کرلیا ورنہ رد کردیا، خواہ ان کا کہنے والا کوئی بھی ہو، اور یہی منہج، معتدل اور صراط مستقیم ہے جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا اور جس کی اتباع کرنے والا کبھی نامراد نہیں ہوسکتا۔

یہ طریقہ اور منہج نصوص کے ساتھ کھلواڑ کرتے ہوئے کتاب اللہ کی تاویل، صحیح احادیث کا انکار اور اجماع سلف کی پرواہ نہ کرنے والوں اور بغیر عقل وبصیرت ہر قول کو رطب ویابس صحیح ومستقیم کی پرواہ کئے بغیر تسلیم کرلینے والوں کے مابین میانہ روی اور اعتدال پسندی پر مبنی ہے۔

Www.IslamicBooks.Website

اہل سنت والجماعت کے اوصاف واخلاق

مؤلف نے اس فصل میں مکارم اخلاق کا ایک مجموعہ اور اس کی فہرست بیان فرمائی ہے جن سے اہل سنت والجماعت متصف ہیں۔ مثلاً

ا......امر بالمعروف ونہی عن المنکر۔

معروف: ہر اس شئ کو کہا جاتا ہے جس کا حسن اور اچھائی شریعت اور عقل دونوں سے معلوم ہو۔

منکر: شرعی وعقلی اعتبار سے ہر قبیح شی منکر کہلاتی ہے۔

اہل سنت اس فریضے کو شریعت کی طرف سے واجب کردہ سمجھ کر ادا کرتے ہیں جیسا کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”تم میں سے جو شخص کسی برائی کو دیکھے تو اسے اپنے ہاتھ سے روک دے، اگر طاقت نہیں ہے تو زبان سے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (اسے برا جانے) اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“ (مسلم)

۲......جمعہ، جماعت، حج اور جہاد میں امراء کے ساتھ حاضر ہونا، خواہ وہ امراء کیسے بھی کیوں نہ ہوں، کیونکہ آپؐ نے فرمایا ہے ”ہر نیک وفاجر کے پیچھے نماز پڑھ لو۔“

۳......ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کیونکہ آپ کا ارشاد ہے ”دین سراسر خیر خواہی کا نام ہے۔“

۴......ایک دوسرے کے ساتھ نرمی، محبت اور نصرت ومدد کے برتاؤ وغیرہ جیسی ایمانی اخوت وبھائی چارگی کے نتیجے میں واجب ہونے والی چیزوں کی صحیح فہم۔ جیسا کہ ان احادیث کا منشا ہے جن میں آپؐ نے مومن کو سیسہ پلائی ہوئی دیوار اور اس عمارت سے تشبیہ دی ہے جس کی اینٹیں باہم مربوط ہوں۔ یا ایسے جسم سے تشبیہ دی ہے جس کے اعضاء ایک دوسرے سے مربوط ہوتے ہیں۔

۵......خیر اور مکارم اخلاق کی دعوت۔ چنانچہ یہ لوگ مصائب پر صبر، نعمت پر شکر

Www.IslamicBooks.Website

ادا کرنے اور اللہ کی قضاء وقدر پر راضی رہنے وغیرہ کی دعوت دیتے ہیں۔

ان کے علاوہ تمام امور بھی ہیں جنہیں مؤلف نے ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد مؤلف نے دین خالص کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنے والوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا ''وہ یہی اہل سنت والجماعت ہیں ان میں صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں.........اور انہیں میں دین ودعوت کے مجددین اور رشد وہدایت کے آئمہ ہوا کرتے ہیں''.............

صدیق: مبالغے کا صیغہ ہے اس کا معنی ہے بہت زیادہ تصدیق کرنے والا، اس امت کے صدیق اول ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

الشهداء: یہ شہید کی جمع ہے، شہید وہ شخص ہے جو معرکے میں قتل کیا جائے۔

متن میں ایک جگہ ''الابدال'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اس دین کی تجدید اور اس کے دفاع میں ایک دوسرے کے بعد آتے رہے ہیں۔ جیسا کہ حدیث میں ہے: اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو سال کے بعد ایک ایسے شخص کو بھیجتا ہے جو اس کے دین کی تجدید کرتا ہے۔ واللہ اعلم

Www.IslamicBooks.Website

منہج سلف صالحین کے فروغ کے لئے کوشاں

ہماری بعض اہم خوبصورت اور معیاری مطبوعات

MAKTABA AL-FAHEEM

Raihan Market, 1st Floor, Dhobia Imli Road
Sadar Chowk, Maunath Bhanjan - (U.P.) 275101
Ph.: (O) 0547-2222013, Mob. 9236761926, 9889123129, 9336010224
Email :faheembooks@gmail.com
WWW.faheembooks.com

₹ 110/-

PRINT ART Delhi- Ph. 23634222

Www.IslamicBooks.Website